اعلیٰ حضرت ایک طبیبِ روحانی ہیں، جس طرح کسی جسمانی طبیب کے روبرو اگر کوئی دق کا مریض پہنچ جائے اور وہ طبیب اس کے مرض کے تعین کے بعد نسخہ بھی تجویز کردے اور بتادے کہ میاں! تمہارا مرض بہت مہلک ہے ابھی چوں کہ ابتدائی منزل میں ہے، اگر تم نے یہ نسخہ استعمال کرلیا تو مرض کے دوررس نقصانات سے محفوظ ہو جاؤ گے، ورنہ یہ مرض تمہاری زندگی کا دشمن ثابت ہوگا۔ بجنسہٖ یہی مثال اعلیٰ حضرت کی ہے، جنھوں نے روحانی مریضوں کو توبہ کا نسخہ بتایا، مگر نہایت نادان تھے وہ مریض جو اپنے سچے مخلص کے نسخے پر عمل کرنے کے بجائے اس کے مخالف بن گئے۔ (از حضور حافظ ملت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

دسمبر ۲۰۱۰ء | محرم ۱۴۳۲ھ

جلد نمبر ۳۴ شمارہ ۱۲

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 15 روپے

سالانہ: 150 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلہ دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

$ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نقوش قلم

اداریہ

عہدِ حاضر میں فکرِ رضا کی معنویت

مبارک حسین مصباحی

مفکر و مجدد امام احمد رضا قدس سرہ العزیز (م: ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) اپنے عہد میں برصغیر کے سب سے بڑے دینی پیشوا اور ملی رہ نما تھے، انھوں نے اسلام و سنیت کے تحفظ اور فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ امتِ مسلمہ کا اتحاد اور اس کی فلاح و نجات ان کی فکر کا خاص محور تھا، وہ عشقِ رسول کے نقطۂ اتحاد پر عالمِ اسلام کو ہم قدم اور ہم فکر کرنا چاہتے تھے۔ وہ بھٹکے ہوئے آہو کو سوے حرم لے جانے کے زبردست داعی تھے، وہ امتِ مسلمہ کی کامیابی کا راز دینِ مصطفیٰ، علمِ مصطفیٰ اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ میں مضمر سمجھتے تھے۔ اسی فکر کے داعی شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال بھی تھے۔

بمصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

امام احمد رضا بلاشبہ عظیم مجدد، عظیم فقیہ اور عظیم دانش ور تھے۔ وہ امتِ مسلمہ کے داخلی اور خارجی مسائل و مشکلات پر حساس نظر رکھتے تھے۔ مسلمانوں کی حالتِ زار پر آنسو بھی بہاتے تھے۔ اور ان کی فلاح و نجات کے لیے تدبیریں بھی پیش کرتے تھے۔ ان کی فکر و نظر کا محور یہی تھا کہ اسلامی تہذیب دنیا کی ہر تہذیب پر غالب ہو اور مسلم قوم دنیا کی ہر قوم سے بلند تر ہو۔ دین و مذہب، سیاست و صحافت، معیشت و معاشرت، تعلیم و تجارت، وہ ہر میدان میں مسلمانوں کو سرخ رو اور پیش رو دیکھنا چاہتے تھے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے انھوں نے مسلسل جد و جہد کی۔ امتِ مسلمہ کو بار بار جھنجھوڑا، علما اور قائدین کو بیدار کیا اور انھیں ان کی منصبی ذمہ داریوں سے باخبر کیا، ان کی کوتاہیوں پر زجر و توبیخ فرمائی، منصوبے بنائے، خطوطِ عمل طے کیے، باہمی اتحاد کے لیے قرآن و احادیث سے دلائل دیے۔ نفرت و بے زاری کا ماحول ختم کرنے کے لیے شرعی احکام سپردِ قلم کیے۔ امام احمد رضا کے افکار و نظریات پر اب ایک صدی مکمل ہونے کو ہے، مگر اس دور اندیش مفکر کے افکار کی معنویت آج بھی اسی طرح باقی ہے، جس طرح ان کے عہد میں تھی، بلکہ بعض نظریات کی معنویت تو آج عہدِ رضا سے بھی سوا نظر آتی ہے، امام احمد رضا کے افکار و نظریات گرد و پیش کے حالات کا نتیجہ نہیں تھے کہ عشرے دو عشرے میں اپنی معنویت کھو دیتے بلکہ ان کے افکار و نظریات قرآن و حدیث سے کشید تھے، جن پر حوادثِ روزگار کے گرد کی پرتیں بے اثر ہوتی ہیں بلکہ قرآن و سنت کے حقیقی جلوے جب عمل کے میدان میں درخشاں ہوتے ہیں تو حوادثِ روزگار خود اپنا رخ بدل دیتے ہیں۔

اس وقت اہلِ سنت و جماعت کے درمیان سخت انتشار ہے، علماے کرام اتحاد کی فضا ہموار کر سکتے تھے، لیکن ان کا ایک طبقہ خود اختلافات کو ہوا دے رہا ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف زبان و قلم کا بے جا استعمال کیا جا رہا ہے۔ حالاں کہ آج اہلِ سنت کے درمیان اتحاد و اتفاق کی سخت ضرورت ہے۔ عالمی سطح پر اسلام کے خلاف منظم اور مسلسل سازشیں ہو رہی ہیں، دوسری جانب غیر اہلِ سنت اہل سنت کے خلاف پیہم شر انگیزی کر رہے ہیں۔ امام احمد رضا کے عہد میں امت مسلمہ کی جو حالت تھی، آج بھی اس سے بہتر نظر نہیں آتی۔ امام اہل سنت قدس سرہ کو بھی اس کا شدید احساس تھا۔ آپ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

« خالص اہل سنت کی ایک قوت اجتماعی کی ضرور ضرورت ہے، مگر اس کے لیے تین چیزوں کی سخت حاجت ہے۔ (۱) علما کا اتفاق (۲) تحمل شاق قدر بالطاق۔ (۳) امرا کا انفاق لوجہ الخلاق۔ یہاں یہ سب مفقود ہیں۔»

(فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۳۲)

علماے کرام کے عدم اتفاق کی بنیادی وجہ امام احمد رضا حسد قرار دیتے ہیں، اور ہم سمجھتے ہیں کہ آج بھی علما کے اختلاف و انتشار کی بنیادی وجہ حسد ہی ہے۔ فلاں شخص عوام وخواص میں مقبول ہے، ہم کیوں نہیں۔ فلاں تحریک و ادارہ عوام وخواص کا مرکزِ توجہ ہے، ہمارا کیوں نہیں۔ ظاہری بات ہے ان چیزوں کا برسرِ عام اظہار تو کیا نہیں جائے گا، لیکن جب سینے کی آگ سے دل کے پھپھولے جلتے ہیں تو نفرتوں کی لپٹیں اٹھتی ہی ہیں اور پھر شروع ہو جاتا ہے ایک دوسرے کی شخصیتوں، تحریکوں اور اداروں پر طرح طرح کے الزامات عائد کرنے کا سلسلہ۔

امام احمد رضا قدس سرہ علما کے انتشار کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

«اتفاقِ علما کا یہ حال کہ حسد کا بازار گرم، ایک کا نام جھوٹوں بھی مشہور ہوا تو بہتیرے سچے اس کے مخالف ہو گئے، اس کی توہین تشنیع میں گم راہوں کے ہم زبان بنے کہ «ہیں» لوگ اسے پوچھتے ہیں اور ہمیں نہیں پوچھتے۔ اب فرمائیں کہ وہ قوم کہ اپنے میں کسی ذی فضل کو نہ دیکھ سکے، اپنے ناقصوں کو کامل، قاصروں کو ذی فضل بنانے کی کیا کوشش کرے گی۔ حاشا یہ کلیہ نہیں مگر للاکثر حکم الکل» (فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۱۳۳)

امام احمد رضا کی اس تحریر کی روشنی میں ہم اپنے عہد کے علما کا اختلافی چہرہ بخوبی پہچان سکتے ہیں۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اگر بدمذہبوں سے لغزشیں صادر ہوں تو انھیں چھپایا نہ جائے تاکہ عوام ان سے بیزار ہوں اور اسی بہانے مسلم سماج ان کے گم راہ کن عقائد ونظریات سے بھی محفوظ رہے۔ لیکن اگر علماے اہلِ سنت میں سے کسی سے کوئی لغزش فاحش صادر ہو تو اسے بالمشافہ یا دیگر ذرائع سے باخبر کیا جائے، شرعی نزاکتوں سے آگاہ کر کے توبہ ورجوع کی تلقین کی جائے، نہ یہ کہ صاحبِ معاملہ سے تو کچھ نہ کہا جائے، بلکہ اس کی مقبولیت ختم کرنے کے لیے اس کے خلاف بے سروپا محاذ کھول دیا جائے۔ اندھیرے اجالے اس کی حیثیت عرفی مجروح کرنے کے لیے نت نئے ہت کنڈے استعمال کیے جائیں۔ عہدِ حاضر کی اس پوری صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے ہم ذیل میں امام احمد رضا قدس سرہ کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں اور فیصلہ اور آپ کے ضمیر اور ایمان کی آواز پر چھوڑتے ہیں۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

«باطل کا اعدام وافنا چاہیے نہ کہ تحفظ و ابقا، بدمذہبوں گم راہوں سے جو اباطیل خارج از مسائل مذہب واقع ہوں ان کی اشاعت مصلحتِ شرعی ہے کہ مسلمانوں کا ان پر سے اعتبار اٹھے۔ ان کی ضلالات میں بھی اتباع نہ کریں۔ حدیث شریف میں ہے:

«اترغبون عن ذكر الفاجر متى يعرفه الناس اذكروا الفاجر بما فيه يحذره الناس»

کیا فاجر کی برائیاں بیان کرنے سے پرہیز کرتے ہو، لوگ اسے کب پہچانیں گے، فاجر میں جو برائیاں ہیں بیان کرو کہ لوگ اس سے حذر کریں۔

اور اہلِ سنت سے بتقدیرِ الٰہی جو ایسی لغزش فاحش واقع ہو، اس کا اخفا واجب ہے کہ معاذ اللہ لوگ ان سے بداعتقاد ہوں گے تو جو نفع ان کی تقریر اور تحریر سے اسلام وسنت کو پہنچتا تھا اس میں خلل واقع ہوگا۔ اس کی اشاعت اشاعتِ فاحشہ ہے۔ اور اشاعتِ فاحشہ بنصِ قرآن عظیم حرام۔ قال اللہ تعالیٰ:

«اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.»

جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں فاحشہ کی اشاعت ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

خصوصاً جب کہ وہ بندگانِ خدا حق کی طرف بے کسی عذر وتامل کے رجوع فرما چکے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«من عير اخاه بذنب لم يمت حتى يعمله قال ابن المنيع وغيره المراد ذنب تاب عنه، قلت وقد جاء كذا مقيداً في الرواية كما في «الشرعة» ثم «في الحديقة الندية۔»

جس نے اپنے بھائی کو کسی گناہ کی وجہ سے عار دلایا، وہ مرنے سے قبل اسی گناہ میں ضرور مبتلا ہوگا۔ ابن منیع وغیرہ کہتے ہیں کہ گناہ سے مراد وہ ہے کہ اس سے توبہ کر لی گئی ہو۔ میں کہتا ہوں شرعہ اور حدیقہ میں روایت میں ہی توبہ کی قید لگی ہوئی ہے۔

والہذا بتاکید گزارش کہ عمائد ومشاہیر علماے اہلِ سنت وجماعت جس امر میں متفق ہیں، یعنی عقائد مشہورہ متداولہ ان میں ہمارے عام بھائی بلادغدغہ ان کے ارشادات پر عامل ہوں۔ یوں ہی وہ فرعیات جو اہلِ سنت اور ان کے مخالفین میں مابہ الامتیاز ہو رہے ہیں جیسے مجلس مبارک وفاتحہ وعرس واستمداد وندا وامثالہا -- باقی رہیں «فرعیات فقہیہ» جن میں وہ مختلف ہو سکتے ہیں، خواہ بسبب اختلاف روایات، خواہ بوجہ خطا فی الفکر یا بسبب عجلت وقلتِ تدبر یا بوجہ کمی ممارست ومزاولتِ فقہ، ان میں فقیر کیا عرض کرے۔

مرا سوزیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد ۔۔۔ وگردم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

(فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۱۳۰)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ بدمذہبوں کی تردید اور ان کی خامیوں کو طشت ازبام کرنا بہر صورت لازم ہے کہ عوام وخواص ان سے دور رہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ علماے اہلِ سنت ان پر آج بھی کاربند ہیں۔

امام احمد رضا نے دوسری بات بطورِ خاص یہ تحریر فرمائی ہے کہ علماے اہلِ سنت سے اگر بہ تقدیرِ الٰہی لغزشِ فاحش سرزد ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی ضروری ہے، کیوں کہ علماے اہلِ سنت جو تحریر وتقریر سے دعوتِ دین اور فروغِ سنت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، ان کی لغزشوں کو مشتہر کرنے کی صورت میں لوگ ان علما سے کنارہ کش ہوں گے، اس طرح ان کی باتوں سے اعتماد اٹھے گا، اور وہ تحریر اور تقریر کے ذریعہ جو خدمت انجام دے رہے ہیں سخت متاثر ہوگی۔ لہٰذا مسلکِ اعلیٰ حضرت یہی ہے کہ معمولی معمولی لغزشوں کو لے کر اہلِ سنت کے علما ومشائخ کی پگڑیاں نہ اچھالی جائیں۔

بلکہ اعلیٰ حضرت نے حدیثِ رسول سے یہ بھی بیان فرمایا کہ جو لوگ کسی ایسے گناہ کی وجہ سے جس سے وہ توبہ کر چکا ہو، اپنے سنی بھائی کی مضحکہ خیزی کرتے ہیں مرنے سے پہلے وہ خود بھی اس گناہ میں مبتلا ہوں گے۔ الامان والحفیظ۔ آج بہت سے علما بے تحقیق دوسرے علما کی لغزشوں کا اعلان کرتے پھرتے ہیں، یہ بھی انتہائی شنیع حرکت ہے۔ ہمیں اس قسم کی حرکتوں سے باز رہنا چاہیے۔ امام احمد رضا ایک مقام پر فرماتے ہیں:

«امام محمد غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو کسی کبیرہ کی طرف بے تحقیق نسبت کرنا حرام ہے۔»

(فتاویٰ رضویہ، ج: ۵، ص: ۵۸۲)

اسی طرح امام احمد رضا قدس سرہ نے دعوت وتبلیغ کی تخفیف اور تضحیک کرنے والوں کے لیے شریعتِ اسلامیہ کی سخت وعید سنائی ہے۔ امام اہل سنت فرماتے ہیں۔

«امر بالمعروف، نہی عن المنکر کے بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ اس میں رکھا ہی کیا ہے تو اس کو تجدیدِ اسلام اور تجدیدِ نکاح کرنا چاہیے۔» (فتاویٰ رضویہ، ج: ۵، ص: ۱۱۷)

اس مقام پر ایک خاص بات یہ ہے کہ جب علماے کرام سے کہا جاتا ہے کہ آپ لوگ فلاں تحریک وادارے یا فلاں شخص کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں تو بلا دلیل فرماتے ہیں وہ تو خارج از اسلام ہے۔ فلاں تحریک تو وہابی تحریک ہے، یا فلاں شخص تو صلح کلی ہے۔ ہم بڑے ادب سے عرض کرتے ہیں کہ جو ضروریاتِ دین میں سے کسی شے کا منکر ہو باجماعِ مسلمین یقیناً قطعاً کافر ہے۔ اگرچہ کروڑ بار کلمہ پڑھے مگر اس کی وضاحت تو کر دی جائے کہ فلاں شخص نے ضروریاتِ دین میں سے فلاں چیز کا انکار کیا ہے۔ اور اگر واقعی ایسا ہے تو علماے کرام کو بہ اتفاقِ راے فیصلہ صادر کرنا چاہیے تاکہ جماعتی انتشار ختم ہو اور معاملہ یک طرفہ ہو۔ اور اگر معاملہ ایسا نہیں ہے تو کسی سنی عالم کو یا کسی سنی تحریک اور ادارے کو صلح کلی، وہابی یا خارج از اسلام کہنے میں سخت احتیاط کرنی چاہیے۔ سنی سنائی باتوں پر بلا تحقیق کسی کو مجرم مان کر اس پر سخت حکم شرعی نافذ کر دینا فتویٰ نویسی کے تقاضوں کے منافی ہے اور ذمہ دار علما کو یہ زیب نہیں دیتا۔ ہم اس حوالے سے بھی امام احمد رضا قدس سرہ کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ امامِ اہلِ سنت فرماتے ہیں:

«فرض قطعی ہے کہ اہل کلمہ کے ہر قول وفعل کو اگرچہ بظاہر کیسا ہی شنیع وفظیع ہو حتی الامکان کفر سے بچائیں اگر کوئی ضعیف سے ضعیف، نحیف سے نحیف تاویل پیدا ہو، جس کی رُو سے حکمِ اسلام نکل سکتا ہو تو اس کی طرف جائیں، اور اس کے سوا اگر ہزار احتمال جانب کفر جاتے ہوں خیال میں نہ لائیں۔» (فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۳۱۷)

اعلیٰ حضرت مزید فرماتے ہیں:

«حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں: کفوا من اھل لاالٰہ الا اللہ لا تکفروھم بذنب فمن اکفر اھل لاالٰہ الا اللہ فھو الی الکفر اقرب۔

لاالٰہ الا اللہ کہنے والوں سے زبان روکو، انھیں کسی گناہ پر کافر نہ کہو، لاالٰہ الا اللہ کہنے والوں کو جو کافر کہے وہ خود کفر سے نزدیک تر ہے۔» (المعجم الکبیر، ج:۱۲،ص:۲۷۲)

امام احمد رضا قدس سرہ اس کے بعد ایک دوسری حدیث نقل فرماتے ہیں:

«حدیث میں ہے، تین باتیں اصل ایمان میں داخل ہیں، لاالٰہ الا اللہ کہنے والے سے باز رہنا اور اسے گناہ کے سبب کافر نہ کہا جائے اور کسی عمل پر اسلام سے خارج نہ کہیں۔» (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲،ص:۳۱۸)

اعلیٰ حضرت مزید فرماتے ہیں:

«ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ائمہ دین فرماتے ہیں، جو کسی مسلمان کی نسبت یہ چاہے کہ اس سے کفر صادر ہو، وہ کفر کرے یا نہ کرے، یہ ابھی کافر ہو گیا کہ مسلمان کو کافر ہونا چاہا۔» (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲،ص:۴۰۳)

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان عبارتوں کی روشنی میں اب ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ اس مقام پر ہم ایک بار پھر یہ وضاحت کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے اکابر نے جن کلمہ گو لوگوں کی تکفیر کی ہے، اس کی وجہ ان کا ضروریاتِ دین میں سے کسی کا انکار ہے۔ اس لیے حسام الحرمین کی حقانیت وصداقت اپنی جگہ مسلم ہے۔

شاید ہم عہدِ حاضر کے ایک انتہائی حساس مسئلہ کو لے کر دیر تک الجھے رہے گفتگو ہو رہی تھی، اہل سنت و جماعت کے اتحاد اور ان کی اجتماعی قوت کی، یہ ایک سچائی ہے کہ اہل سنت کا کوئی مضبوط پلیٹ فارم نہیں۔ دین ودانش اور دعوت وتبلیغ کے مختلف صیغوں میں باصلاحیت افراد کی بھی ضرورت ہے اور کثیر سرمائے کی بھی۔ امام احمد رضا نے بھی اپنے عہد میں اسی کا رونا رویا ہے۔ اور عوام وخواص کو ان کی ذمہ داریوں کو بار بار یاد دلایا ہے، امام احمد رضا اپنے سائل سے خطاب کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

«جو آپ چاہتے ہیں اسی قوت متفقہ پر موقوف ہے جس کا حال اوپر گزارش ہوا۔ بڑی کمی امرا کی بے توجہی اور روپے کی ناداری ہے، حدیث کا ارشاد صادق آیا کہ «وہ زمانہ آنے والا ہے کہ دین کا کام بھی بے روپیہ کے نہ چلے گا۔» کوئی باقاعدہ عالی شان مدرسہ تو آپ کے ہاتھ میں نہیں، کوئی اخبار پرچہ آپ کے یہاں نہیں، مدرسین، واعظین، مناظرین، مصنفین کی کثرت بقدرِ حاجت آپ کے پاس نہیں۔ جو کچھ کر سکتے ہیں فارغ البال نہیں۔ جو فارغ البال ہیں وہ اہل نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲،ص:۱۳۳)

امام احمد رضا نے اہلِ سنت کے فروغ کے لیے جن چیزوں کی کمی کا احساس دلایا تھا، مکمل ایک صدی بیتنے کے باوجود بھی ہم ان خلاؤں کی مکمل بھرپائی نہ کر سکے۔ میڈیا کی ضرورت واہمیت جتنی آج ہے اتنی اعلیٰ حضرت کے عہد میں ہرگز نہیں تھی، مگر واہ رے مردِ دور اندیش۔ امام اہل سنت نے ایک صدی قبل میڈیا کی ضرورت واہمیت کو محسوس کیا تھا۔ آج ایک صدی گزرنے کے بعد بھی اہلِ سنت کا کوئی قابلِ ذکر ملکی اور عالمی سطح کا اخبار نہیں۔ خیر پہلے کے مقابل بیداری ضرور آئی ہے۔ چند رسائل بڑی پابندی سے اعلیٰ معیار کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں، دو ایک سنی چینل بھی شروع ہوئے ہیں، مگر غیر مسلم اور غیر اہلِ سنت پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا میں اب کافی آگے جا چکے ہیں۔ ہمیں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑی جد وجہد کی ضرورت ہوگی۔ امام اہل سنت نے اپنے عہد میں ایک عظیم دار العلوم اور مختلف میدانوں کے مردانِ کار کی کمی کا بھی شدت سے احساس کیا تھا۔ بفضلہ تعالیٰ جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی نے فکرِ رضا کی روشنی میں بڑی حد تک اس خلا کو پُر کیا۔ آج الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اہل سنت کی سب سے عظیم اور بافیض درس گاہ کی حیثیت سے عالمِ اسلام میں متعارف ہے اور فرزندانِ اشرفیہ تصنیف وتالیف، تدریس وتحقیق، خطابت ومناظرہ، سیاست وصحافت اور دعوت وتبلیغ کے میدانوں میں ملکی اور

عالمی سطح پر گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں مگر کاموں کے پھیلاؤ اور حالات کے دباؤ کا تقاضا ہے کہ جامعہ اشرفیہ جیسے درجنوں ادارے قائم ہوں۔ میری مراد اداروں کی کثرت سے نہیں بلکہ معیار سے ہے۔

امام اہل سنت نے اہل سنت کی اجتماعی قوت کے استحکام اور فروغ اہل سنت کے لیے جو دس نکاتی فارمولہ سپردِ قلم فرمایا تھا۔ اس کی جتنی اہمیت عہدِ رضا میں تھی آج اس سے بھی زیادہ ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

«**اول** عظیم الشان مدارس کھولے جائیں باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

ثانیاً طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔

ثالثاً مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں کہ لالچ سے جان توڑ کر کوشش کریں۔

رابعاً طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔ یوں ان میں کچھ مدرسین بنائے جائیں، کچھ واعظین، کچھ مصنفین، کچھ مناظرین، پھر تصنیف ومناظرہ میں بھی توزیع ہو، کوئی کسی فن پر کوئی کسی پر۔

خامساً ان میں جو تیار ہوتے جائیں، تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً وتقریراً وعظاً ومناظرۃً اشاعت دین ومذہب کریں۔

سادساً حمایت (مذہب) وہ رَدِّ بدمذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

سابعاً تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت شائع کیے جائیں۔

ثامناً شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں۔ آپ سرکوبیِ اعدا کے لیے اپنی فوجیں، میگزین، رسالے بھیجتے رہیں۔

تاسعاً جو ہم میں قابل کار، موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جوئیں۔

عاشراً آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایتِ مذہب میں مضامین تمام ملک میں بہ قیمت وبلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔ میرے خیال میں تو یہ تدابیر ہیں، آپ اور جو کچھ بہتر سمجھیں افادہ فرمائیں۔» (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲،ص:۱۳۳-۱۳۴)

امام احمد رضا قدس سرہ کی یہ دس تدبیریں جماعتِ اہلِ سنت کی فلاح و بہبود کے لیے رہ نما خطوط ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے ۱۵ر جمادی الاخریٰ ۱۳۳۰ھ میں کیے گئے ایک سوال کے جواب میں یہ دس نکاتی فارمولہ سپردِ قلم فرمایا تھا۔ اب ۱۴۳۲ھ ہے اس مکمل ایک صدی میں ہم نے ان تدابیرِ رضا پر کتنا عمل کیا، ہمیں انتہائی سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ حالات کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ان تدابیر پر عمل کریں۔ ہم یہاں تفصیل وتجزیہ سے گریز کرتے ہوئے اتنا ضرور عرض کریں گے کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے اس دس نکاتی فارمولے میں پیری مریدی کے تعلق سے کوئی تدبیر نہیں رکھی کہ پیرانِ طریقت تیار کر کے ملک کے گوشے گوشے میں بھیجے جائیں۔ لیکن آج علمائے کرام اور مشائخِ عظام کی اولین ترجیح پیری مریدی بن گئی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مفکر ومجدد امام احمد رضا «مشربی زعم تعصب کی بوالعجبیوں» سے قبل از وقت آگاہ تھے یہ ایک حقیقت ہے کہ آج اہلِ سنت میں ۹۹ فی صد اختلافات حلقۂ مریداں کے حوالے سے ہیں۔ میرے اس ریمارک پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ امام احمد رضا پیری مریدی کے مخالف تھے، یا ہم معاذ اللہ احسان وتصوف سے گریزاں ہیں۔ مسئلہ دراصل ان پیرانِ عصر کا ہے جو احسان وتصوف کے حقیقی تقاضوں سے بہت دور دولت وعشرت کے گلیاروں میں ہاوہو کی ضربیں لگا رہے ہیں، جن کا مطمحِ نظر ارشاد وتبلیغ سے زیادہ طلب زر ہے۔

امام احمد رضا کسی معمولی فکر ودانش کی حامل شخصیت کا نام نہیں تھا۔ لیکن افسوس ہم نے اپنی معمولی فکر ودانش کی روشنی میں امام احمد رضا کو

پڑھا اور اسی نہج پر قوم تک قوم کے درمیان ان کا تعارف کرایا بلکہ عام طور پر ہمارے اسٹیجوں پر امام احمد رضا کے حوالے سے جو خطابات ہوتے ہیں ان کا عام طور پر لازمی تاثر یہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کی پوری زندگی صرف ردِ بد مذہباں سے عبارت تھی، انھوں نے اس کے علاوہ کچھ کیا ہی نہیں۔ اور پھر یہی تاثر مخالفین بھی عوام وخواص میں پہنچاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں اہل علم ودانش کے درمیان امام احمد رضا کی فکرو شخصیت کا وہ تعارف نہیں ہو سکا جس کی وہ متقاضی تھی۔

امام احمد رضا بلاشبہہ عظیم مجدد ومفکر تھے۔ ان کی حساس نظر جماعتی مسائل پر بھی تھی اور مسلمانوں کے عالمی منظر نامے پر بھی، وہ ملی فلاح وبہبو کے بھی زبردست داعی تھے۔ ایک سچے قائد وپیشوا کی نظر صرف مسجد ومدرسے تک محدود نہیں ہوتی۔ اس کی نظر میں مسلمانوں کا ملی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی منظر اور پس منظر بھی ہوتا ہے۔ ایک عظیم مجدد اور مخلص مفکر کی منصبی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ امتِ مسلمہ کے ہر گوشۂ حیات پر نظر رکھے اور ان کے لیے بہتر خطوط فکر وعمل طے کرے۔ مسلمانوں کی اقتصادی صورت حال کے پیشِ نظر امام احمد رضا نے چار نکاتی پروگرام پیش کیا تھا، جسے ہم بلا تبصرہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

«**اولاً:** باستثنا ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ ووکالت میں گھسے جاتے ہیں گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوئے جاتے ہیں محفوظ رہتے۔

ثانیاً: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا، اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے، یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹانک بھر تانبا صناعی کی گھڑنت کرکے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

ثالثاً: بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بنک کھولتے، سود شرع نے حرام فرمایا ہے، مگر اور سوطریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب «کفل الفقیہ الفاھم» میں چھپ چکا ہے، ان جائز طریقوں پر بھی نفع لیتے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں بنیوں کی نذر ہوتی چلی جاتی ہیں ان سے بھی محفوظ رہتے، اگر مدیونی کی جائداد ہی لی جاتی تو مسلمان ہی کے پاس رہتی، یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنئے چنگے۔

رابعاً: سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا، چار دانگ عالم میں اس کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نان شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا۔ اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہِ ذلت میں گرایا۔» (فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۱۷۷-۱۷۸)

سماجی اور اقتصادی بساط پر مسلمانوں کی فلاح وترقی کے لیے امام احمد رضا کا یہ چار نکاتی فارمولا آج بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا کل تھا۔ بلکہ آج جب کہ غیر اہل سنت اور غیر مسلم ان میدانوں میں شب خون مار کے بہت آگے بڑھ گئے ہیں، فکرِ رضا کی معنویت آج ماضی سے بھی زیادہ اہم ہو گئی ہے۔ بلاشبہہ آج ضرورت ہے کہ (۱) مسلمان اپنے فیصلوں کے لیے دار القضا قائم کریں (۲) مسلمان صرف مسلمانوں سے خریدیں (۳) مسلمان اسلامک بینکنگ نظام قائم کریں (۴) مسلمان دینِ اسلام پر مکمل عمل کریں۔

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز ایک عبقری مفکر ومجدد تھے۔ امتِ مسلمہ کے سچے ہم درد اور مخلص رہ نما تھے۔ عصرِ حاضر کا تقاضا ہے کہ امام احمد رضا کی فکروں اور تدبیروں کو عام کیا جائے۔ ملت کا کارواں ان کے پیش کردہ خطوط کی روشنی میں آگے بڑھایا جائے، اسی میں ہماری دینی اور دنیاوی فلاح وکامرانی ہے، اور یہی امام احمد رضا سے سچی محبت اور ان کی بارگاہ میں سچا خراجِ عقیدت ہے۔

☆☆☆☆☆

آخری قسط

فکرِ امروز

قرآن کے سائنسی پہلو

ابوالتمش

قرآن کی الہامی ترتیب اور ریاضیاتی معجزہ

آیئے اب قرآن کی ایسی خصوصیات دیکھیں جو عام فہم بھی ہیں اور سب کو نظر بھی آسکتی ہیں۔ اس میں نہ دلیل کی ضرورت ہے نہ منطق کی اور نہ ہی سائنسی تحقیق کے مزاج کی، بس آپ ہندسے اور گنتی سے واقف ہوں جس کو بچہ بچہ جانتا ہے۔

قرآن کی ایک اہم خصوصیت اس کے متن کی ترتیب کا تسلسل اور ابدیت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لفظ کسی آیت کے سیاق وسباق میں چودہ سو سال پہلے جس ترتیب میں تھی آج یا آئندہ اس میں تبدیلی ناممکن ہے یہی قرآن کی الہامی ترتیب کی دلیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی چند خصوصیات:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورہ کا سرنامہ ہے۔ اس آیت میں ۱۹ر حروف ہیں جن کو آپ انگلیوں پر گن سکتے ہیں۔ آپ یہ جانتے ہیں کہ قرآن میں ۱۱۴ر سورتیں ہیں۔ تمام سورتیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتی ہیں سوائے سورہ توبہ کے لیکن جب ہم سورہ نمل کی ۳۰ر ویں آیت دیکھیں تو اس کے متن میں بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم موجود ہے (ملکہ سبا کے نام حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط) اس طرح کل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تعداد ۱۱۴ر ہوتی ہے جو مساوی ہے ۱۹×۶ کے۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ ۱۹ر کا ہندسہ یا بہ الفاظ دیگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا قرآن کی ترتیب میں بڑا عمل دخل ہے۔ یہ تمام مظاہر اس آسمانی کتاب کی منظم ترتیب اور الہامی خصوصیت کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ کیا ۱۹ر کے ہندسہ کا قرآن کی ترتیب سے کوئی خاص ربط ہے؟ ہاں ہے۔ سورہ مدثر کی ۳۰ر ویں آیت میں دوزخ کے ۱۹ر فرشتوں کا ذکر ہے۔ یہ ذکر قرآنی آیات کو سحر اور جادو سے تعبیر کرنے والوں کی تنبیہ میں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ۴ر الفاظ ہیں۔ (بسم۔ اللہ۔ الرحمٰن۔ الرحیم) پورے قرآن میں یہ چار الفاظ جتنی مرتبہ آئے ہیں وہ ۱۹ر کا ضعف یا ۱۹ر پر قابل تقسیم ہیں۔ لفظ بسم ۱۹ر مرتبہ (۱×۱۹) لفظ اللہ ۲۶۹۸ر مرتبہ (۱۴۲×۱۹) الرحمٰن ۵۷ر مرتبہ (۳×۱۹) اور لفظ الرحیم ۱۱۴ر مرتبہ یعنی (۶×۱۹)۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یہ چار الفاظ قرآن میں یوں ہی نہیں بکھرے ہوئے ہیں بلکہ وہ مختلف جملوں یعنی آیات کا جزو بن کر ایک خاص مفہوم ادا کرتے ہیں۔ جس میں تبدیلی سے قرآنی مفہوم تبدیل ہو جائے گا۔

حروف مقطعات اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ربط:

اوپر ہم نے قرآن کے چار الفاظ کی ترتیب کا ذکر کیا ہے۔ اب چند حروف کی خصوصیات پر غور کریں۔ قرآن کی عجیب خصوصیت اس کے حروف مقطعات ہیں جو اس کو دوسرے صحیفوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ عربی کے ۲۸ر حروف تہجی ہیں ان سے ۱۴ر حروف کو منتخب کرکے ان سے ۱۴ر حروف مقطعات بنائے گئے ہیں (مثلاً الم، الر، ص، ق، ن وغیرہ) قرآن کی ۲۹ر سورتیں ایسی ہیں جن کی ابتدا ان حروف مقطعات سے ہوتی ہے۔ ان حروف مقطعات میں کیا معنی پنہاں ہیں کوئی نہیں جانتا۔ البتہ کچھ لوگ قیاس آرائی سے ان کے مفہوم نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان کی وہ خصوصیات جن سے کسی کو انکار نہیں وہ ہیں ان کا ۱۹ر سے ربط۔ اب ذرا ۱۴+۱۴+۲۹ کو جوڑیے یعنی ۵۷۔ یہ دراصل حروف مقطعات کے ماخذ حروف، مقطعات کے مرکب اور مقطعات والی سورتوں کا مجموعہ ہے، جملہ ۵۷ر یعنی ۳×۱۹۔

حروف مقطعات بطور کلید قرآن:

اب چند حروف مقطعات کی مخصوص کیفیات پر غور کریں۔

حرف «ق» بہ حیثیت حروف مقطع دوسورتوں میں آیا ہے۔ سورہ ق اور سورہ شوریٰ میں حمعسق کے جزو کے طور پر۔ ان ہر دوسورتوں میں حروف ق کی تعداد ۵۷/ ہے یعنی مجموعی طور پر ۱۱۴/ جو کہ ۶×۱۹ ہے۔ لیکن «ق» کے سلسلے میں ایک اور اہم خصوصیت قرآن کے الہامی ترتیب پر صداقت کی مہر ہے۔ سورہ کی آیات ۱۲/ ۱۳ اور ۱۴/ میں قوم عاد، قوم ثمود اور قوم لوط کا ذکر ہے، یہ ساری باغی اقوام ہیں۔ پورے قرآن میں قوم لوط کا ذکر ۱۲/ دفعہ ہے اور ہر جگہ اس کو تسلسل کے ساتھ قوم لوط سے مخاطب کیا ہے۔ لیکن سورہ «ق» کی ۱۳/ ویں آیت میں اس «قوم لوط» کو «اخوان لوط» لکھا ہے اگر یہاں پھر «قوم لوط» لکھا جاتا تو ایک «ق» کا اضافہ ہو جاتا یعنی «ق» کی تعداد ۵۸/ ہو جاتی جو کہ ۱۹/ پر نا قابل تقسیم ہو کر قرآن کی اس حرفی ترتیب کے نظام کو متاثر کرتی۔

حرف «ص» بھی حروف مقطعات میں شامل ہے۔ یہ حرف تین سورتوں کی ابتدا میں ہے۔ سورہ ص، اعراف، اس میں «المص» کا جزو ہے اور سورہ مریم میں «کہیعص» میں شامل ہے۔ ان تینوں میں «ص» کی تعداد ۱۵۲/ ہے (یعنی ۸×۱۹) جو سورہ ص کے ۳۸/ اعراف کے ۹۵/ اور مریم کے ۱۹/ کا مجموعہ ہے۔ لیکن اس میں بھی ایک استثنا کارفرما ہے۔ سورہ اعراف کی ۶۹/ ویں آیت میں جس میں «ص» شامل ہے ایک لفظ «بصطه» ہے اس لفظ کی ترکیب میں حرف «ص» استعمال ہوا ہے جب کہ عام طور پر یہ «س» سے لکھا جاتا ہے، ساری عربی زبان میں «بصطه» کی ہجوں میں «ص» نہیں ہے اگر اس لفظ کو «ص» سے نہ لکھ کر «س» سے لکھا جاتا تو «ص» کی تعداد ۱۵۱/ رہوتی جو ۱۹/ پر نا قابل تقسیم رہتا۔ ان دو مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن میں ہر لفظ اور ہر حرف بطور نگینہ اپنی جگہ ثابت ہے یہی اس کی الہامی ترتیب کا ایک مظہر ہے۔

حروف مقطعات جن میں ایک سے زائد حروف شامل ہیں مثلاً «یٰس، الم» وغیرہ ایک اور خصوصیت کے حامل ہیں۔ یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ تمام سورتوں میں جن میں حروف مقطعات ہیں ان میں ان حروف کی تعداد کا مجموعہ ۸۱ ۹۳ ۴/ ہے جو ۱۹/ سے قابل تقسیم ہے یعنی (۱۵۹۹×۱۹) ریاضی کی زبان میں کہا جائے گا کہ انھیں ایک طرح سے آپس میں میں پیوست کر دیا گیا ہے جو قرآن کے تسلسل پر دلالت کرتا ہے۔

اس کی ایک اور مثال حروف «ط» اور «ہ» میں دیکھیں۔ بطور حروف مقطعات یہ دو حروف سورہ طٰہٰ میں ہیں اور ان کی تعداد ۲۸ + ۳۱۴ = ۳۴۲ ہے، یعنی ۱۸×۱۹۔ اس کے علاوہ حرف «ط» حرف مقطعات کے جزو کے طور پر تین اور سورتوں یعنی سورہ شعراء میں بطور «طسم»، سورہ نمل میں بطور «طس» اور سورہ قصص میں بطور «طسم» وارد ہوا ہے۔ اسی طرح حرف «ہ» سورہ مریم میں «کہیعص» کے ساتھ موجود ہے۔ اگر ان پانچوں سورتوں میں «ط» اور «ہ» کی تعداد جوڑ لیں تو ۵۸۹/ ہے جو ۳۱×۱۹ ہے۔

قرآن کے بعض اور ریاضیاتی معجزے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس چیز کو جس کے برابر کہا ہے اُن الفاظ کو بھی اتنی ہی دفعہ دُہرایا ہے اور جس کو جس سے کم کہا ہے اسی نسبت سے ان الفاظ کو بھی قرآن مجید میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس دعویٰ کی بنیاد نہ تو اللہ تعالیٰ کے فرمان یعنی قرآن مجید میں موجود ہے اور نہ ہی کسی حدیث یا صحابہ کے اقوال میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ حال ہی میں جب کچھ مسلم اسکالرز نے اس جانب توجہ کی اور تحقیق فرمائی تو ان کو حیرت انگیز نتائج کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے سامنے قرآن مجید کا ایک اور معجزانہ پہلو نکھر کر سامنے آیا کہ جس کی مثال دنیا کی کسی دوسری کتاب میں ملنا ناممکن ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ کوئی اگر کمپیوٹر کی مدد سے بھی ایسا لکھنا چاہے تو نہیں لکھ سکتا۔ اور یہی قرآن مجید کا امتیاز اور کمال ہے۔

مثلاً قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کی مثال حضرت آدم سے دی گئی ہے۔ اگر آپ قرآن مجید میں عیسیٰ کا لفظ تلاش کریں تو وہ ۲۵/ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ اور اسی طرح آدم کا نام بھی ۲۵/ ہی دفعہ قرآن میں موجود ہے۔ یعنی معنی کے ساتھ ساتھ دونوں پیغمبروں کے ناموں کو بھی یکساں طور پر درج کیا گیا ہے۔

اسی طرح سورۃ الاعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

«اور اگر ہم چاہتے تو ان نشانیوں سے اس (کے درجات) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف جھک گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا۔ ایسے شخص کی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تو بھی ہانپتا ہے اور نہ کرے تو بھی ہانپتا ہے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے

جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا۔»

یہ کلمہ «اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا» یعنی «جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں" قرآن مجید میں ۵/ دفعہ آیا ہے جبکہ "کَلْب" یعنی کتے کا نام بھی پورے قرآن میں ۵/ دفعہ ہی دہرایا گیا ہے۔

اسی طرح سورہ فاطر میں فرمایا کہ «اندھیرا اور روشنی ایک جیسے نہیں ہیں۔»

اندھیرے کو عربی میں «ظلمت» کہتے ہیں اور قرآن میں یہ لفظ ۲۳/ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ جبکہ لفظ روشنی یعنی «نور» کو ۲۴/ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں «سَبْعَ سَمٰوٰت» یعنی سات آسمانوں کا ذکر ۷/ مرتبہ ہی ہوا ہے۔ نیز آسمانوں کے بنائے جانے کے لیے لفظ «خَلَقَ» بھی ۷/ مرتبہ ہی دہرایا گیا ہے۔

لفظ «یَوْم» یعنی دن ۳۶۵/ مرتبہ، جب کہ جمع کے طور پر «یَوْمَیْن» یا «اَیَّام» ۳۰/ مرتبہ اور لفظ «شَھْر» یعنی مہینہ ۱۲/ دفعہ دہرایا گیا ہے۔

لفظ «شَجَرَةٌ» یعنی درخت اور لفظ «نَبَات» یعنی پودے، دونوں یکساں طور پر ۲۶/ مرتبہ ہی دہرائے گئے ہیں۔

لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق «انعام» دینے کا لفظ ۱۱۷/ مرتبہ استعمال ہوا ہے جب کہ معاف کرنے کا لفظ «مَغْفِرَہ» ۲۳۴/ مرتبہ یعنی دگنی تعداد میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو معاف کرنا زیادہ پسند کرتا ہے۔

لفظ «قُل» یعنی کہو، کو گنا گیا تو وہ ۳۳۲/ دفعہ شمار ہوا۔ جب کہ لفظ «قَالُوا» یعنی وہ کہتے ہیں یا انھوں نے کہا، کو شمار کیا گیا تو وہ بھی ۳۳۲/ مرتبہ ہی قرآن میں دہرایا گیا ہے۔

لفظ «دُنْیا» اور «آخِرَت»، دونوں مساوی طور پر ۱۱۵/ دفعہ ہی دہرائے گئے ہیں۔

لفظ «شَیْطَان» ۸۸/ مرتبہ جبکہ لفظ «مَلَائِکَة» یعنی فرشتے کو بھی ۸۸/ دفعہ ہی دہرایا گیا ہے۔

لفظ «اِیْمَان» ۲۵/ دفعہ اور لفظ «کُفْر» بھی اتنی مرتبہ ہی استعمال ہوا ہے۔

لفظ «جَنَّت» اور لفظ «جَھَنَّم» یکساں تعداد میں یعنی ۷۷/ مرتبہ دہرائے گئے ہیں۔

لفظ «زَکٰوۃ» کو قرآن مجید میں ۳۲/ دفعہ دہرایا گیا ہے جب کہ لفظ «بَرَکَاة» یعنی برکت کو بھی ۳۲/ دفعہ ہی استعمال کیا گیا ہے۔

لفظ «اَلْاَبْرَار» کو ۶/ دفعہ دہرایا گیا ہے اس کے مقابلہ میں لفظ «اَلْفُجَّار» کو صرف ۳/ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔

لفظ «خَمْر» یعنی شراب قرآن میں ۶/ مرتبہ استعمال ہوا ہے جبکہ لفظ «سُکَارٰی» یعنی نشہ بھی ۶/ مرتبہ ہی دہرایا گیا ہے۔

لفظ «لِسَان» یعنی زبان کو ۲۵/ دفعہ لکھا گیا ہے اور لفظ «خِطَاب» یعنی بات یا کلام، کو بھی ۲۵/ مرتبہ ہی دہرایا گیا ہے۔

لفظ «منفعة» یعنی فائدہ، اور اس کے متضاد لفظ «خُسْرَان» یعنی خسارہ، کو بھی یکساں طور پر ۵۰، ۵۰/ مرتبہ ہی دہرایا گیا ہے۔

لفظ «مَحَبَّہ» یعنی دوستی اور لفظ «طَاعَه» یعنی فرماں برداری، دونوں مساوی طور پر ۸۳/ مرتبہ ہی دہرائے گئے ہیں۔

لفظ «مُصِیبَة» ۷۵/ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور لفظ «شُکْر» بھی ۷۵/ مرتبہ ہی دہرایا گیا ہے۔

لفظ «اِمْرَأة» یعنی عورت اور لفظ «رَجُل» یعنی مرد یا آدمی دونوں یکساں طور پر ۲۳، ۲۳/ مرتبہ ہی دہرائے گئے ہیں۔ قرآن مجید میں ان الفاظ کا اتنی مرتبہ دہرانا بڑا دلچسپ اور حیران کُن ہے۔ کیونکہ جدید سائنس کے مطابق انسانی جنین (رحم مادر میں قرار یافتہ بچہ) کی تشکیل میں بھی ۴۶/ کروموسومز حصہ لیتے ہیں اور ان میں ۲۳/ کروموسومز ماں کے اور ۲۳/ ہی باپ کے ہوتے ہیں اور یہ مرد کے جرثومے اور عورت کے بیضہ میں موجود ہوتے ہیں۔ چناں چہ قرآن مجید میں دہرائے گئے ان الفاظ کی جدید سائنس کے ساتھ مطابقت بڑی معنی خیز ہے۔

لفظ «صَلَوَات» یعنی نمازیں، ۵/ دفعہ دہرایا گیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دن رات میں کُل پانچ نمازیں ہی پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

لفظ «اَلْاِنْسَان» یعنی آدمی، ۶۵/ مرتبہ دہرایا ہے۔ جبکہ انسان کی تشکیل کے سب مراحل کو بھی اتنی ہی دفعہ دہرایا ہے۔ ان مراحل کی تفصیل درج ذیل ہے۔

تُراب (مٹی)	۱۷/ دفعہ
نُطفہ (منی کا قطرہ یا بوند)	۱۲/ دفعہ

علَق (جمے ہوئے خون کا لوتھڑا)	۶/دفعہ
مُضغَۃ (بوٹی)	۳/ دفعہ
عظام (ہڈیاں)	۱۵/دفعہ
لَحم (گوشت)	۱۲/دفعہ
مجموعہ=	۶۵/دفعہ

اس لیے ان الفاظ کے درمیان مطابقت بھی بڑی معنی خیز ہے۔ لفظ "اَرض" یعنی زمین کو قرآن مجید میں ۱۳/دفعہ دہرایا گیا ہے۔ جبکہ لفظ "بَحر" یعنی سمندر یا دریا، کو ۳۲/دفعہ دہرایا گیا ہے۔ ان دونوں کا مجموعہ ۴۵/بنتا ہے۔

چناں چہ ان کی نسبت کو معلوم کرنے کے لیے زمین اور سمندر کے انفرادی عدد کو ان دونوں کے مجموعے سے تقسیم کرتے ہیں تو درج ذیل نتیجہ سامنے آتا ہے۔

زمین کے لیے 13/45 %28.888888889 = 100

سمندر کے لیے 32/45 %71.111111111 = 100

درج بالا حاصل ہونے والا نتیجہ جدید سائنس کے عین مطابق ہے۔ جس کے مطابق زمین پر ۷۱٪/پانی جب کہ ۲۹٪/خشکی پائی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل پر غور وخوض کے بعد یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ قرآن مجید کا حسابی نظام اتنا پیچیدہ مگر منظم ہے کہ یہ انسانی عقل کے بس کی بات نہیں، لاریب تمام جن وانس مل کر بھی ایسی بے مثال محیر العقول کتاب تیار نہیں کر سکتے۔ حالاتِ حاضرہ پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت شام، دمشق، مصر اور عراق وغیرہ میں لاکھوں عیسائی اور یہودی ایک اندازے کے مطابق ایک کروڑ چالیس لاکھ کے قریب موجود ہیں، جن کی مادری زبان عربی ہے جو عربی زبان میں نثر لکھنے پر قادر ہیں، جن کی ادارت میں اخبار اور رسائل اشاعت پذیر ہیں، ان میں ایسے ایسے ادیب اور ماہر لسانیات ہیں جنہوں نے لغات عربیہ پر نظر المحیط، المنجد، اقرب الموارد اور المحیط جیسی ضخیم کتابیں لکھ ڈالیں مگر وہ تورات، زبور اور انجیل کے بارے میں اس قسم کے کمپیوٹرائزڈ نظام نہ پیش کر سکے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے یہ نظام ازل ہی سے قرآن مجید کے لیے مختص فرمادیا تھا جس کا اظہار اب کمپیوٹر کے زمانے میں ہوا ہے۔

مآخذ ومراجع

- قرآن مجید مع ترجمہ کنز الایمان
- تفسیر ابن کثیر، جلد سوم۔
- مشکوٰۃ شریف۔
- بائبل، قرآن اور سائنس، از: مورس بکائی، ناشر: مجلس اتحاد المسلمین، کراچی۔ ۱۹۷۹ء
- بین الاقوامی اسلامی مجلس مذاکرہ کی رپورٹ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۵۷ء
- سائنس اور ٹکنالوجی میں مسلمانوں کی خدمات، از: حبیب شطی، سکرٹری جنرل سندھ ٹیکنیکل بورڈ، سندھ ایجوکیشنل جرنل، کراچی شمارہ ۳، ۲، ۱۹۸۷
- مقالات: قرآن اور سائنس، بین الاقوامی سیمینار، کراچی ۱۹۸۶ء
- فلسفہ، سائنس اور کائنات، از: ڈاکٹر محمود علی سڈنی۔ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی۔ ۱۹۹۳ء
- قرآن اور جدید سائنس، [مترجم] حیدر علی مولجی طہ، عباس بک ایجنسیز، درگاہ حضرت عباس، رستم نگر، لکھنؤ۔ ۱۹۹۴ء
- جدید سائنسی ایجادات اور مسلمان سائنسدانوں کا حصہ، از: سید حسین نصر، مصر ۱۹۸۵ء
- سیارہ ڈائجسٹ۔ قرآن نمبر۔ ۱۹۸۸ء
- سائنسی انکشافات قرآن وحدیث کی روشنی میں۔
- الشمس والقمر بحسبان۔
- The Quran and Modern Science
- THE MESSIANIC LEGACY,-GEORGI BOOKS ,LONDON :1991
- EDWARD J. LARSON VE LARRY WITHAM, Scientists and Religion in America, SCIENETIFIC AMERICAN, SEP.1999, p. 81
- http://www.miraclesofthequran.com/index2.html

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا ذوقِ عبادت

مکتوبات کے آئینے میں

محمد نظام الدین رضوی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی عشق رسول اور اطاعتِ مصطفیٰ سے عبارت ہے، میں نے آپ کے مکتوبات کے جھلکتے آئینوں میں آپ کے جمال جہاں آرا کا نظارہ کیا ہے اور وہ عکس ہائے رنگارنگ دیکھے ہیں، جن میں آپ کی جلوت بھی ہے اور خلوت بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، سفر بھی ہے اور حضر بھی، غم والم کے جاں گداز مراحل بھی ہیں اور فرح وسرور کے دل نواز مناظر بھی، شباب کے اسوے بھی ہیں اور پیری کے نمونے بھی۔ یہ سب اس ذات والا صفات کے پرتوِ جمال بلکہ آئینۂ خد وخال ہیں اور اس سے آگے بڑھ کر ان کی گہرائی میں اتر کر دیکھیے تو وہ اتباع سنت کی نور بیز شعاعیں اور ایمان کو تازگی دینے والی محبوب ادائیں ہیں، ایک ایک عکس اپنی جگہ حب الٰہی کا درِ آب دار ہے اور عشق رسالت کا نور گہربار، وہ خود نغمہ سرا ہیں ؎

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا\
جس کو ہو درد کا مزا نازِ دوا اٹھائے کیوں

ہم نے ان عکوس کی روشنی میں آپ کی زندگی کے شب وروز کا جہاں تک مشاہدہ کیا ہے اس کے لحاظ سے ان کا ہر ہر لمحہ اور ایک ایک آن اتباع رسول کا زندہ شاہ کار ہے، اب بطور نمونہ خاص کر آپ کے ذوقِ عبادت کے تعلق سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں جن سے یہ واضح ہوگا کہ مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی زندگی کو شریعت کے سانچے میں کس طرح ڈھال رکھا تھا۔

(۱) نماز کی پابندی:

نماز وہ عظیم عبادت ہے جس کا رتبہ اعمال میں سب سے بڑا ہے۔ سرکار ابد قرار علیہ الصلاۃ والسلام نے اسے «اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک» بتایا۔ ارشاد فرماتے ہیں:

وجعلت قرة عيني في الصلاة. (مشکوٰۃ شریف، ص:۴۴۹، باب فضل الفقراء، بحواله احمد و نسائي)

ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔

سفر، حضر ہر جگہ، وقت پر اس کی ادائیگی کو لازم قرار دیا گیا اور اس سے غفلت ولاپروائی پر عذابِ نار کی دھمکی بھی سنائی گئی۔

☆ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اسلام میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سی چیز پیاری ہے؟ فرمایا: وقت پر نماز ادا کرنا۔

ومن ترك الصلوٰة فلا دين له والصلاة عماد الدين.

(فتاویٰ رضويه، جلد دوم، بحواله شعب الايمان بيهقي)

جس نے نماز چھوڑی اس کے لیے دین نہ رہا اور نماز دین کا ستون ہے۔

☆ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور اقدس ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا، تمھیں معلوم ہے کہ تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟ (سرکار نے تین بار یہی فرمایا، اور ہر بار) صحابہ نے عرض کیا: خدا اور رسول ﷺ خوب جانتے ہیں! تو آپ نے فرمایا: تمہارا پروردگار کہتا ہے کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم جو شخص نماز وقت پر پڑھے گا، اسے جنت میں داخل فرماؤں گا، اور جو اس کے غیر وقت میں پڑھے گا، چاہوں تو اس پر رحم کروں اور چاہوں تو اسے عذاب دوں۔ (طبرانی، بسند صالح)

☆ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا، وہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا؟

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ.

(آیت: ۵، ۴، سورہ ماعون)

صدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔

ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے ہٹا کر پڑھتے ہیں۔ (بزار و مجمع السنۃ)

(درج بالا حدیثیں فتاوی رضویہ جلد دوم، رسالہ حاجز البحرین میں اعلیٰ حضرت نے نقل کی ہیں)

یہ اللہ کے محبوب سید عالم ﷺ کے ارشاداتِ طیبات ہیں، جنھوں نے ایک طرف اپنی امت کو نماز کی محافظت و پابندی کا درس دیا اور دوسری طرف اس پر عمل کر کے دنیا کو دکھا بھی دیا، آپ ﷺ ہر نماز صحابہ کرام کے ساتھ اس کے وقت میں ہی ادا فرمایا کرتے تھے۔

امام احمد رضا رسولِ مکرم ﷺ کے سچے پیروکار تھے، اس لیے اپنے رسول ﷺ کو جو کہتے سنا وہی کہنے لگے۔ اور جو کرتے دیکھا اسی پر عمل پیرا ہو گئے۔ آپ کی ذات سے «صلوا کما رأیتمونی اصلی» کا عکس زیبا جھلکتا ہے اور سفر و حضر ہر جگہ آپ نماز کے اوقات میں اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق سجدہ ریز نظر آتے ہیں، جیسا کہ واقعات ذیل شاہد ہیں۔

[۱] ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ حضرت نے عیدالاسلام حضرت مولانا عبدالسلام صاحب علیہ الرحمہ کی دعوت پر جبل پور کا سفر بیماری کی حالت میں کیا، آغاز سفر کا ذکر حضرت برہانِ ملت علیہ الرحمہ یوں کرتے ہیں:

«صبح ۴؍ بجے اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا حامد رضا صاحب (حجۃ الاسلام) حاجی کفایت اللہ صاحب اور خادم برہان گاڑی پر (بریلی ریلوے اسٹیشن) کے لیے روانہ ہوئے، میں نے عرض کی حضرت عین نماز کے وقت گاڑی روانہ ہوگی، نمازِ فجر کہاں ادا کی جائے گی؟ اعلیٰ حضرت نے مسکرا کر فرمایا: «انشاء اللہ پلیٹ فارم پر» اسٹیشن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی چالیس منٹ لیٹ ہے، پلیٹ فارم پر جانماز، چادریں، رومال بچھا لیے گئے اور بعونہ تعالیٰ کثیر جماعت نے اعلیٰ حضرت کے پیچھے نمازِ فجر ادا کی۔ یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت تھی کہ اطمینان کے ساتھ نماز سے فارغ ہوئے۔»

(اکرام امام احمد رضا، ص: ۸۶، ۸۷)

[۲] حضرت مولانا عبدالسلام صاحب اپنے رفقا کے ہم راہ اعلیٰ حضرت کے استقبال کے لیے کٹنی تک چلے آئے تھے، آگے کا واقعہ حضرت برہانِ ملت یوں لکھتے ہیں:

«ٹرین چار بجے کٹنی پہنچی، اعلیٰ حضرت کے لیے وضو کا انتظام کیا گیا، فرمایا: نمازِ فجر کہاں ہوگی؟ عرض کیا: سلیمنا باد میں، لیکن صرف تین منٹ گاڑی رکتی ہے، حضور وضو فرمائیں۔

خادم حاضر ہوتا ہے۔ میں انجن کی طرف بڑھا، دیکھا ڈرائیور مسلمان ہیں اور وہ بھی اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کر کے جا رہے ہیں، مجھ سے مصافحہ کیا، میں نے کہا سلیمنا باد میں نمازِ فجر ادا کرنا ہے، پوچھا کتنا وقت لگے گا؟ میں نے کہا، ۱۲؍ یا ۱۵؍ منٹ۔ کہا میں لیٹ کر دوں گا، گارڈ بھی مل گیا۔ اس نے بھی اطمینان دلایا، گاڑی بڑے وقت پر سلیمنا باد پہنچی، پلیٹ فارم پر جانماز، چادریں، رومال بچھا کر تقریباً ۳۰۰؍ کی جماعت ہوئی، پوری ٹرین کے مسافر دیکھ رہے تھے، اعلیٰ حضرت اطمینان کے ساتھ وظیفہ سے فارغ ہو کر گاڑی میں تشریف لائے۔» (اکرام امام احمد رضا، ص: ۸۸)

[۳] جبل پور کے قیام کے دوران اعلیٰ حضرت کے معمولات سے حضرت برہانِ ملت نے ایک یہ بھی شمار کیا ہے کہ «نماز کے لیے پانچوں وقت مسجد پیدل تشریف لاتے۔»

(اکرام امام احمد رضا، ص: ۸۹)

ان دنوں عیدالاسلام اس مسجد میں نماز ادا فرماتے جاتے، جو قدیم کوتوالی کی طرف ہے، اس کا فاصلہ آپ کے دولت خانہ سے پانچ سو قدم سے زیادہ ہے۔ ایک نحیف و ناتواں کے لیے اتنا فاصلہ بھی بہت ہے، بلکہ یہ فاصلہ استطاعت سے کہیں زیادہ ہے۔

[۴] جبل پور سے واپس ہو کر ۲۲؍ رجب ۳۷ھ کو اعلیٰ حضرت نے بریلی سے حضرت عیدالاسلام کو یہ اطلاع نامہ بھیجا:

«شب دوشنبہ ۸؍ بجے مع الخیر اسٹیشن بریلی پر آیا، راہ میں بڑی نعمت بفضلہٖ عزّ و جلّ یہ پائی کہ نمازِ مغرب کا اندیشہ تھا، شاہ جہاں پور ۶: ۳۳ پر آمد تھی کہ ہنوز وقتِ مغرب نہ ہوتا اور صرف ۸؍ منٹ قیام۔ مگر گاڑی بفضلہ تعالیٰ ۱۵؍ منٹ لیٹ ہو کر شاہ جہاں پور پہنچی اور ۱۰؍ منٹ ٹھہری کہ بہ اطمینان تمام نماز اچھے وقت پر ادا ہوئی، وللہ الحمد! موٹر بہ لحاظ ہم راہیاں (جو استقبال کے لیے اسٹیشن پر کثیر تعداد میں آئے تھے) بہت آہستہ خرامی کے ساتھ بہ دیر مکان پر پہنچا۔ فقیر نے ابتدا بہ مسجد کی، نمازِ عشا ہوئی۔» (اکرام امام احمد رضا، ص: ۹۹)

[۵] اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۵۲؍ برس کی عمر میں دوسری بار سفر حج کیا، مناسک حج کی ادائیگی کے بعد آپ ایسے

علیل ہوئے کہ دو ماہ سے زیادہ صاحب فراش رہے۔ جب کچھ رو بہ صحت ہوئے تو ۲۴؍ صفر ۱۳۲۴ھ کو زیارت روضۂ انور کے لیے مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر جدہ سے بذریعہ کشتی رابغ پہنچے اور وہاں سے مدینۃ الرسول ﷺ کے لیے اونٹ کی سواری کی، اب آگے کا واقعہ خود اعلیٰ حضرت کی زبانی سنیے:

«راہ میں جب «بیر شیخ» پر پہنچے ہیں، منزل چند میل باقی تھی اور وقت فجر تھوڑا۔ جمّالوں (اونٹ والوں) نے منزل ہی پر روکنا چاہا اور جب تک وقتِ نماز نہ رہتا۔ میں اور میرے رفقا اتر پڑے، قافلہ چلا گیا، کرچ کا ڈول پاس تھا، (لیکن) رسی نہیں اور کنواں بھی گہرا۔ عمامے باندھ کر پانی بھرا، وضو کیا، بحمد اللہ تعالیٰ نماز ہوگئی۔ اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ طول مرض سے ضعف شدید ہے، اتنے میل پیادہ (پیدل) کیوں کر چلنا ہوگا، منہ پھیر کر دیکھا تو ایک جمّال (اونٹ والا) محض اجنبی، اپنا اونٹ لیے میرے انتظار میں کھڑا ہے، حمدِ الٰہی بجا لایا، اس پر سوار ہوا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم یہ اونٹ کیسے لائے؟ کہا ہمیں شیخ حسین نے تاکید کر دی تھی کہ شیخ کی خدمت میں کمی نہ کرنا۔ کچھ دور آگے چلے تھے کہ (دیکھا کہ) میرا اپنا جمّال اونٹ لیے کھڑا ہے، اس سے پوچھا، کہا کہ جب قافلے کے جمّال نہ ٹھہرے، میں نے (دل میں) کہا شیخ کو تکلیف ہوگی، قافلے میں سے اونٹ کھول کر واپس لایا۔

یہ سب میرے سرکارِ کرم کی وصیتیں تھیں صلی اللہ تعالیٰ و بارک وسلم علیہ و علی عترتہ قدر رافتہ و رحمتہ۔ ورنہ کہاں یہ فقیر، اور کہاں سردار رابع شیخ حسین جن سے جان نہ پہچان۔ اور کہاں وحشی مزاج جمّال اور ان کی یہ خارق العادات روشیں۔

(الملفوظ، ص: ۳۲، ۳۳، حصہ: ۲)

سبحان اللہ! یہ ہے ذوقِ نماز اور شوقِ عبادت! کہ نماز کے فوت ہونے کے اندیشے سے دل بے قرار اور بے چین ہو گیا، وقت سے نماز ادا ہو گئی تو دل کو قرار مل گیا اور جان میں جان آ گئی۔ مہینوں کی طویل علالت اور ضعفِ شدید کے باوجود ہر طرح کی کلفت و مشقت سے بالکل بے پروا ہو کر قافلہ کا ساتھ چھوڑ دیا، مگر «احبُّ العبادات» نماز کو چھوڑنا گوارا نہ فرمایا۔ یہ عاشق رسول اسے نعمت عظمیٰ سمجھتا ہے اور خدائے پاک کی اس نوازش پر وہ اس کا شکر بھی ادا کرتا ہے۔ یقیناً جو چیز خدائے ذو الجلال کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو، بہت ہی زیادہ پیاری ہو، وہ ایک «مومن کامل» کے لیے «نعمتِ عظمیٰ» ضرور ہوگی۔

اور قربان جائیے اتباع رسول کے اس جذبۂ کامل پر کہ آپ سوا ماہ کے بعد باہر سے اپنے وطن عزیز میں پہنچے تھے، لیکن بچوں سے ملنے سے پہلے کشاں کشاں خانۂ خدا میں حاضر ہو رہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچوں سے ملنے میں جماعت فوت ہو جائے۔

یہ ہے نماز کی محافظت اور یہ ہے شوق سجدہ۔

(۲) بیماری کی حالت میں نماز:

نماز بڑی سے بڑی بیماری اور انتہائی کمزوری کی حالت میں بھی معاف نہیں، ہوش و حواس اگر باقی ہیں تو ہر حال میں اس کی ادائیگی بعض خاص صورتوں کے سوا فرض قرار دی گئی ہیں، البتہ اس کی ادائیگی کے طریقوں میں نرمی اور آسانی کا یہ لحاظ کیا گیا ہے کہ کھڑا ہونا مشکل ہو تو عصا کے سہارے نماز پڑھو، بیٹھنے کی سکت نہ ہو تو کسی چیز سے ٹیک لگا لو، اس کی بھی قدرت نہ ہو تو لیٹے ہی لیٹے اشارے سے اس کا سجدہ بندگی بجا لاؤ، ارشاد رسالت ﷺ ہے۔

صل قائما، فان لم تستطع فقاعدا، فان لم تستطع فعلی جنب تومي ایماء. (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ باب صلاۃ المریض بحوالہ بخاری و سنن اربعہ)

کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر اشارے سے ادا کرو۔

خود سرور کائنات ﷺ کا عمل یہی رہا ہے کہ اپنی بیماری اور ضعف و کمزوری کی حالت میں بیٹھ کر نماز ادا کی ہے۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد و عمل کی مکمل عملی تصویر تھی، قیام پر قدرت ہے تو کھڑے ہو کر ہمہ تن شوق مولیٰ سے راز و نیاز میں مشغول ہیں، بدن میں طاقت نہیں تو عصا کے سہارے قیام ہو رہا ہے، اسی کے سہارے رکوع و سجود ادا ہو رہے ہیں، لیکن کبھی راحتِ نفس کے لیے نماز نہیں چھوڑتے۔

[۱] حضرت مولانا عبدالسلام صاحب علیہ الرحمہ کے نام اپنے ایک مکتوب (مورخہ ۴؍ ربیع الآخر ۳۴ ۳ھ) میں آپ لکھتے ہیں:

«ڈھائی سال سے اگرچہ امراض درد، کمر و مثانہ و سر وغیرہا امراض کا للازم ہو گئے ہیں، قیام و قعود، رکوع و سجود بذریعہ عصا ہے،

مگر الحمد للہ کہ دینِ حق پر استقامت عطا فرمائی ہے، کثرتِ عبادت روز افزوں ہے اور حفظ الٰہی تفضیلِ نا متناہی شامل حال، والحمد للہ رب العالمین۔» (اکرام امام احمد رضا، ص: ۱۲۸)

[۲] اعلیٰ حضرت کے قیامِ جبل پور کے دوران ایک روز حضرت عبد السلام نے عرض کیا:

«جبل پور خوش نصیب ہے کہ یہاں حضور کی صحت بہت اچھی ہے، بریلی شریف میں کبھی کبھی نماز میں رکوع و سجود میں عصا کا سہارا لینا پڑتا تھا، یہاں نہیں دیکھا۔» (اکرام، ص: ۹۸)

[۳] اعلیٰ حضرت اپنے مرض الموت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

«اس مرض کے ساتھ ہی بہ شدت کھانسی وزکام، اور بلغم میں لزوجت ایسی کہ دس دس جھٹکوں کے بعد بہ دشواری جدا ہوتا، کھانسی اس قدر شدت کی، اتنے جھٹکے ہوتے اور جگر و پہلو میں درد، ان کو ان جھٹکوں کی اصلاً خبر نہ ہوتی، یہ وہ مرض تھا کہ بائیس دن میں بازو کا گوشت صحیح پیمائش سے سوا انچ گھل گیا، رانوں کا ابدائی حصہ اتنا رہ گیا، جتنے بائیس دن پہلے بازو تھے۔ شدت قبض و ہیجانِ ریاح کا سلسلہ اب تک (جاری) ہے۔ ....اب مسجد تک جانے کی طاقت نہ رہی، پندرہ روز سے اسہال (دست) شروع ہوئے۔ اس نے بالکل گرا دیا۔ نماز کی چوکی پلنگ کے برابر لگی ہے اس پر سے اس پر بیٹھے بیٹھے جانا تین تین بار ہمت سے ہوتا۔ الحمد للہ کہ اب تک فرض و وتر اور صبح کی سنتیں بذریعہ عصا کھڑے ہی ہو کر پڑھتا ہوں، مگر جو دشواری ہوتی ہے، دل جانتا ہے۔ نبض کی یہ حالت ہے کہ ایک ایک منٹ میں چار چار بار رک جاتی ہے، دو دو قرع کی قدر رکی رہتی ہے، پھر باذنہٖ تعالیٰ چلنے لگتی ہے۔ (اکرام، ص: ۱۱۴، ۱۱۵، خلاصہ بلفظہ)

شریعت کا قانون ہے کہ جب تک مریض کسی چیز کے سہارے قیام و قعود اور رکوع و سجود پر قادر ہو اس سے نماز معاف نہیں ہے، اور نہ ہی اسے رکوع و سجدہ کے لیے اشارہ کی اجازت ہے، اس لیے آپ نفس پر مشقت و تکلیف برداشت کر کے نماز کو تمام شرائط و آداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں، مگر محبوب کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں کوئی کمی گوارا نہیں کرتے۔

یہ اتباعِ سنت کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے جس کی نظیر آج کے زمانے میں نظر نہیں آتی۔

(۳) جماعت کا التزام:

احادیث کریمہ میں جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی پر بڑا زور دیا گیا ہے، اور موثر انداز میں طرح طرح سے اس کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اس کے ترک کو تعزیر شدید کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں رحمتِ عالم ﷺ نے جماعت میں حاضر نہ ہونے والوں کے متعلق یہاں تک فرمایا:

ثم اخالف الی رجال لا یشهدون الصلوٰة فاحرق علیهم بیوتهم. رواه البخاری ولمسلم نحوه. (مشکوٰة، ص:۹۵، باب الجماعة)[1]

(میں نے ارادہ کر لیا کہ) جو لوگ جماعت میں حاضر نہیں ہوتے، ان کے گھر ان کے سمیت آگ سے جلا دوں۔

ایک حدیث میں سرکار نے فجر و عشا کی جماعت کی اہمیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی:

ولو تعلمون ما فیهما لا تیتموهما ولو حبوا علی الرکب.(ابو داؤد، ص:۸۲، ج:۱)

اگر تمھیں نمازِ فجر و عشا کا ثوابِ عظیم معلوم ہو جائے تو یقیناً تم لوگ ان نمازوں کے لیے آؤ گے، اگرچہ گھٹنوں کے بل چل کر، یا پیٹ کے بل گھسیٹ کر (یعنی گرتے پڑتے) آنا پڑے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا اور دوسرے صحابہ رسول ﷺ کا (مشاہدہ کی روشنی میں) یہ فیصلہ ہے کہ:

مایتخلف عن الصلاة الا منافق قد علم نفاقه، او مریض ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتي یاتي الصلوٰة. (مسلم باب صلاة الجماعة من سنن الهدیٰ ، کتاب المساجد، ص:۲۵۹، ج:۱، جمعیة المکة الاسلامي قاهره)

نمازِ جماعت سے صرف دو شخص پیچھے رہتے ہیں، ایک تو منافق جس کا نفاق لوگوں پر ظاہر و آشکار ہو چکا ہو، اور دوسرے بیمار، بے شک بیمار آدمی بھی دو آدمیوں کے بیچ میں ان پر ٹیک لگا کر چلتے ہوئے مسجد میں حاضر ہوتا۔

(۱) یہ روایت کثیر کتب احادیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ مثلاً ترمذی کے الفاظ یہ ہیں: «[illegible] الصلوٰة» (سنن ترمذی، ص: ۳۰، ج:۱) اور ابو داؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں: «ثم انطلق برجال معهم حزم من حطب الی قوم لا یشهدون الصلوٰة فاحرق علیهم بیوتهم بالنار» (سنن ابوداؤد، ص: ۴۷، ج:۱)

یعنی جس مریض کی یہ حالت ہوتی کہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر ان کے سہارے کسی طرح مسجد تک پہنچ سکے، وہ بھی عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ میں مسجد میں حاضر ہو کر شریکِ جماعت ہوتا اور جو مریض انتہائی ضعف اور کم زوری کی وجہ سے اس طور پر بھی حاضری سے معذور ہوتا وہی جماعت سے پیچھے رہ جاتا، یا پھر کوئی کھلا منافق ہی پیچھے رہتا۔

حضور سیدِ عالم ﷺ بھی مرضِ وصال میں ایک بار اسی انداز سے مسجد میں تشریف لائے تھے۔ چناں چہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا، کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟ ہم نے عرض کی، نہیں یا رسول اللہ ﷺ: وہ آپ ﷺ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا لگن (نہانے کا برتن) میں پانی رکھو۔ ہم نے پانی رکھا تو آپ ﷺ نے غسل کیا، پھر کھڑے ہونے لگے تو غشی طاری ہو گئی۔ افاقہ ہوا تو پھر وہی بات پوچھی، ہم نے وہی جواب دہرایا، پھر آپ ﷺ نے غسل کیا، کھڑے ہونے کے وقت غشی طاری ہوئی، افاقہ کے بعد پہلے ہی کی طرح سوال و جواب ہوئے، غسل فرمایا، غشی آئی، افاقہ ہوا اور اس بار بھی آپ ﷺ نے یہی پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی۔ ہم نے عرض کیا، نہیں، اے خدا کے رسول ﷺ! لوگ نمازِ عشا کے لیے آپ ﷺ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس مرتبہ رسولِ پاک ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر بھیجی کہ وہ نماز پڑھا دیں، تو انھوں نے نماز پڑھائی۔ بیماری کے دنوں میں وہی نماز پڑھاتے رہے۔

ثم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم وجد من نفسه خِفَّةً فخرج بین رجلین احدهما العباس لصلوٰة الظهرِ. قال (ابن عباس) الذي کان مع العباس هو علي رضي الله عنه.(مسلم شریف، ص:۱۷۸، ج:۱)

پھر جب رسول اللہ ﷺ کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تو آپ نمازِ ظہر کے لیے دو آدمیوں کے بیچ میں (ان کے سہارے) چل کر تشریف لے گئے۔ دو آدمیوں میں سے ایک حضرت عباس تھے اور دوسرے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قام یهادي بین رجلین ورِجلاه تخطان في الارض.(مسلم شریف، ص:۱۷۹، ج:۱)

آپ دو آدمیوں پر ٹیک لگا کر ان کے بیچ میں ادھر ادھر جھکتے ہوئے یوں چل رہے تھے کہ آپ کے قدمِ ناز زمین سے گھسٹ رہے تھے۔

ایک روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ یہ واقعہ آپ کے مرض وصال کا ہے۔

لما مرض رسول الله صلی الله علیه وسلم مرضه الذي توفي فیه.(مسلم شریف، ص:۱۷۹، ج:۱)

ان احادیث کو ذہن میں رکھ کر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی پاک کا جائزہ لیجیے تو اس میں نمایاں طور پر صحابہ کرام بلکہ خود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کا عکس جمیل جھلکتا ہوا نظر آئے گا، اور آپ محسوس کریں گے کہ اعلیٰ حضرت نے زندگی بھر ماہِ رسالت اور اس کے نجومِ ہدایت سے جو کسبِ نور کیا تھا، وہ نور خود ان کی ذاتِ انور میں جگمگا رہا ہے۔ ...... بڑھاپے کا زمانہ ہے، کثرتِ کار، ہجومِ افکار، نزولِ بلا و شدتِ امراض کے باعث آپ کے قویٰ ساتھ چھوڑتے جا رہے ہیں۔ نقاہت اور کم زوری حد درجہ کو پہنچ چکی ہے، چند قدم چلنے کے بعد بدن میں طاقت نہیں رہ گئی، گویا؎

اٹھائے کچھ ورق لالہ نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

مگر اس مردِ باخدا کے عزم و حوصلہ کی بلندی کا عجب حال ہے کہ وہ تمام دشواریوں، مجبوریوں اور معذوریوں کے باوجود قربِ مولیٰ کے شوق میں جانبِ منزل یوں رواں دواں ہے کہ؎

ان کا پتہ نہ پوچھو بس آگے بڑھے چلو
ضعف مانا مگر اے ظالم دل
ان کے رستے میں تو تھکا نہ کرے

وہ منزل «مسجد» ہے جہاں اتباعِ رسول کا جذبہ صادق انھیں کھینچ لیے جا رہا تھا، آپ بھی اس کا ایک منظر ملاحظہ کیجیے:

اجل نزدیك اور عمل رکیك و حسبنا الله و نعم الوکیل.

چار دن کم پانچ مہینے ہوئے، آنکھ دکھنے آئی اور اس پر اطوار مختلفہ وارد ہوئے، ضعف قائم ہو گیا، سیاہ خیالات نظر آتے ہیں، آنکھیں ہمہ وقت نم رہتی ہیں۔ اول تو مہینوں کچھ لکھ پڑھ ہی نہیں سکا، اب یہ حال ہے کہ چند منٹ نگاہ نیچی کرنے سے آنکھ بھاری پڑ جاتی ہیں، کم زوری بڑھ جاتی ہے۔ پانچ مہینے سے مسائل و رسائل سب زبانی بتا کر لکھے جاتے ہیں۔ بارہویں ربیع الاول کی شام سے ایک ایسا مرض لاحق ہوا کہ عمر بھر میں نہ ہوا تھا، نہ اللہ تعالیٰ کسی سنی کو اس میں مبتلا کرے۔ پچہتر گھنٹے کامل اجابت نہ ہوئی، پیشاب بھی بند ہو گیا۔ مولیٰ تعالیٰ نے فضل فرمایا مگر ضعف بدرجۂ غایت ہے، نواں روز ہے، بخار کا دورہ ہوا، ضعف کو اور قوت بخشی، روز تجربہ کیا مسجد تک جانے آنے کے تعب سے فوراً بخار آجاتا ہے، مجبورانہ کئی روز سے یہ ہے کہ کرسی پر بٹھا کر چار آدمی لے جاتے اور لاتے ہیں، ظہر کو جاتا اور مغرب پڑھ کر آتا ہوں، طالبِ دعا ہوں۔ (اکرام امام احمد رضا، ص: ۱۳۴، ۱۳۵)

(۲ تا ۴) اس بیماری کا تذکرہ آپ کے مختلف خطوط میں اجمال یا تفصیل کے ساتھ ملتا ہے، آپ نے یہ خطوط ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ، جناب مولانا حکیم عبد الرحیم صاحب مدرس اول مدرسہ قادریہ، احمد آباد، گجرات اور مجاہد کبیر حضرت مولانا حاکم علی صاحب علیہ الرحمہ موتی بازار لاہور، پاکستان کے ضروری استفسار یا اہم دینی مکتوب کے جواب میں ارقام فرمائے ہیں۔

حضرت مولانا حاکم علی صاحب کے استفسار کے جواب میں آپ نے رسالہ مبارکہ «نزول آیات فرقان، سکون زمین و آسمان» تصنیف فرمائے ہیں۔

حضرت مولانا احمد بخش صاحب کے جواب میں ایک مبسوط فتویٰ تحریر فرمایا ہے، اس کے شروع میں تاخیر کا عذر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

«۱۲ ربیع الاول شریف کی مجلس پڑھ کر شام سے سخت علیل ہوا، ایسا مرض کبھی نہ ہوا تھا، میں نے وصیت نامہ لکھوا دیا، اسی دوران میں آپ کا قصیدہ حمیدہ نعتیہ آیا، مجھ میں دیکھنے کی قوت کہاں تھی، وہ کاغذات میں مل گیا اور مہینوں گم رہا، زوال مرض کو مہینے گزرے مگر جو ضعفِ شدید اس سے پیدا ہوا تھا اب تک بدستور ہے، فرض وتر اور صبح کی سنتیں بدقت کھڑے ہو کر پڑھتا ہوں، باقی سنتیں بیٹھ کر۔ مسجد میرے دروازے سے دس بارہ قدم ہے، وہاں تک چار آدمی کرسی پر بیٹھا کر لے جاتے اور لاتے، اور باقی امراض کہ کئی برس سے کاللازم بدستور ہیں، کبھی ترقی، کبھی تنزل، والحمد للہ علی کل حال و اعوذ باللہ من حال اھل النار، حاش للہ استغفر اللہ معاذ اللہ۔ یہ بطور شکایت نہیں، بلکہ صرف معذرت کے لیے اظہار واقعیت، اس کے وجہ کریم کی حمد ابدی ہے۔»

(۵) حضرت ملک العلما رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مکتوب (نوشتہ ۵ محرم شریف، سن ۳۷ھ) میں اپنا حال اس طرح لکھتے ہیں۔

«۲۲ ذی قعدہ سے آج ۲۲ ربیع الاول شریف تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی، مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا، جمعہ کے لیے لوگ کرسی پر بٹھا کر لے جاتے اور لے آتے، ۱۱ محرم شریف سے بارے حاضری کا شرف پاتا ہوں۔ لوگ بازو پکڑ کر لے جاتے ہیں، نقاہت و ضعف اب بھی شدت ہے۔ دعا کا طالب ہوں۔»

(۶) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ماہِ وصال و مرضِ وصال میں حضرت عید الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کئی حوادث سے دو چار ہوئے۔ آپ نے تعزیت کے لیے عدم حاضری کی وجہ ذکر کرتے ہوئے تفصیل سے اپنی جاں کاہ اور انتہائی صبر آزما و حوصلہ شکن بیماریوں کا حال پر ملال لکھا ہے۔ اسی کا ایک مختصر اقتباس یہ ہے۔

«شدتِ قبض و ہیجانِ ریاح کا سلسلہ اب تک ہے، ۱۴ محرم کو پہاڑ (بھوالی) سے واپس آیا، لاری والے میرے احباب تھے، مولیٰ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔ لاری میں میرے لیے پلنگ بچھا کرلائے اور بفضلہ تعالیٰ بہت آرام سے آنا ہوا۔ یہاں جب تک آیا ہوں اتنی قوت باقی تھی کہ عشا سے ظہر تک کی نمازوں کو چار آدمی کرسی پر بٹھا کر لے گئے، عصر بھی مسجد میں ادا کی، پھر بخار آگیا اور اب تک مسجد جانے کی طاقت نہ رہی، پندرہ روز سے اسہال شروع ہوئی، اس نے بالکل گرا دیا۔ آٹھویں دن جمعہ کی حاضری تو ضرور ہے، مکان سے مسجد تک جانے میں وہ تعب ہوتا ہے کہ بیٹھ کر سنتیں بھی بدقت تمام پڑھی جاتی ہیں، اور اس تکان سے عشا تک بدن چور رہتا ہے۔ نبض کی یہ حالت ہے کہ ایک ایک منٹ میں چار چار بار رک جاتی ہے۔ لہٰذا بادلِ ناخواستہ حاضری سے معذور ہوں۔»

(اکرام امام احمد رضا، ص: ۱۱۵)

یہ مکتوب ۹ صفر ۱۳۴۰ھ کو حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے املا کیا اور اس کے صرف دو ہفتہ بعد ۲۵ صفر کو ظہر کے وقت آپ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان خطوط کے مطالعے سے عیاں ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو اتباع سنت کا بے پناہ شوق تھا، کہنے کو تو وہ یہ کہتے ہیں ؎

حشر میں کیا مزے وارفتگی کے لوں رضاؔ
لوٹ جاؤں پا کے وہ دامانِ عالی ہاتھ میں

لیکن سرکار علیہ التحیۃ والثنا سے ان کی وارفتگیِ عشق کا عالم یہ ہے کہ دنیا میں ہی آپ کے ایک ایک قول و فعل پر عمل کے لیے دیوانہ وار مچل رہے ہیں، بدن میں طاقت نہیں، لیکن جماعت میں شرکت کے لیے بے چین ہیں کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کو کسی بھی حال میں وسعت کے باوجود جماعت سے غیر حاضری گوارا نہ تھی۔ لوگوں کے سہارے کرسی پر بیٹھ کر مسجد میں حاضر ہو رہے ہیں اور حالت یہ ہے کہ یہ آمد و رفت بھی آپ کے لیے سخت کلفت و مشقت کی باعث ہے۔ یہ سب اس جذبۂ شوق میں تھا کہ حضور ﷺ کے صحابہ بھی بیماری و ناتوانی کی حالت میں دو آدمیوں کے بیچ میں چل کر جماعت میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اور ایک دفعہ خود حضور جان نور ﷺ بھی اسی انداز سے مسجد میں تشریف لائے تھے، بلاشبہہ اعلیٰ حضرت کا یہ مثالی کردار حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کی اسی سنت کے اتباع میں تھا لیکن حضور ﷺ کی وہ ادا جو آپ کے دو آدمیوں کے بیچ میں چل کر جانے میں تھی کرسی پر جانے میں ادا نہیں ہوتی، اس لیے اعلیٰ حضرت بسا اوقات دو آدمیوں کے بیچ میں چل کر بھی مسجد تشریف لے گئے، تاکہ محبوب کی وہ ادا بھی ادا ہو جائے۔

ایک عاشق کے لیے ادائے محبوب میں مشابہت کا جو لطف ہے وہ صرف متابعت میں کہاں؟

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

اعلیٰ حضرت کے مکتوبات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کچھ دنوں انتہائی ضعف اور کم زوری کی بنا پر مسجد میں حاضر نہ ہو سکے، مگر یہ اس لیے تھا کہ شریعت نے بے بسی کی حالت میں حاضری کا مکلف ہی نہیں کیا ہے، خود سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے عمل سے بھی اس کی شہادت فراہم ہوتی ہے۔ البتہ سرکار کا یہ عمل عذر کی وجہ سے بادلِ ناخواستہ تھا، اس لیے یہ عاشقِ رسول ﷺ بھی مسجد سے اپنی غیر حاضری کو دل سے گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ اسے اپنی محرومی سمجھتا ہے، وہ بڑی حسرت اور افسوس کے ساتھ اپنے قرۃ العین و درۃ الزین (حضرت ملک العلما) کو لکھتا ہے کہ:

«مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا»

خدا کی قسم! یہ امام احمد رضا قدس سرہ کے اتباع سنت کا وہ بے مثال نمونہ ہے جسے دیکھ کر عہد رسالت و عہد صحابہ کی یاد دلوں میں تازہ ہو جاتی ہے۔

(۴) صحرا میں اذان کی صدا:

اذان اہم شعائرِ اسلام سے ہے، حدیثِ پاک میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یسمع مدی صوت الموذن جن ولا انس ولا شئ الا شھد لہ یوم القیمۃ. (رواہ البخاري، ص:۸۶، ج:۱)

موذن کی آواز پہنچنے کے آخری مقام تک جن و انسان اور حیوان و نباتات و جمادات سے ہر چیز جو یہ آواز سنتی ہے وہ سب کے سب قیامت کے دن موذن کے لیے اس کے ایمان اور فضل و کرامت کی گواہی دیں گے۔

ایک حدیث میں ہے:

ویشھد لہ کل رطب و یابس.

(شعب الایمان، ص:۱۱۸، ج:۳)

ہر خشک و تر موذن کے لیے گواہ ہو جاتے ہیں۔

ایک دفعہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بنفس نفیس اذان دی، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

«درمختار میں ضیا کے حوالہ سے ہے کہ ایک سفر میں اللہ کے رسول ﷺ نے خود ہی اذان دی، اقامت فرمائی اور نماز ادا کی۔ ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سفر میں اذان دی اور اپنے صحابہ کرام کے ساتھ نماز ادا کی، امام ابن حجر مکی کی تحفۃ الاسلام میں ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی تو تشہد میں اشھد انی رسول اللہ کہا۔ علامہ ابن حجر نے اس حدیث کی صحت کا اشارہ کیا ہے اور یہ نصِ مفسر ہے جو قابلِ تاویل نہیں۔»

امام احمد رضا نے اس سنت کی پیروی کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ بڑا ہی قابلِ رشک ہے۔ جمادی الآخرہ ۱۳۳۷ھ میں قیامِ جبل پور...

کے دوران ایک روز آپ سیر و تفریح کے لیے نربدا ندی تک چلے گئے، وہیں پر نمازِ مغرب کا وقت ہو گیا۔ اب آگے کا واقعہ حضرت برہانِ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیے۔ رقم طراز ہیں:

«بندر کودنی کے خشک ریت کے میدان میں مصلّٰی اور رومال وغیرہ بچھا لیے گئے، میں نے اذان دینے کے ارادے سے کان میں انگلیاں لگائیں کہ اذان کی آواز سنائی دی۔ دیکھا کہ اعلیٰ حضرت اذان دے رہے تھے، حضرت ہی نے اقامت فرمائی اور نمازِ مغرب پڑھائی۔ فارغ ہونے پر ہم سب قدم بوس ہوئے تو اپنے دستِ مبارک میں خادم کا ہاتھ لے کر فرمایا: حدیث شریف میں ہے کہ اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں کا ہر فرد شاہد اور گواہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں نے اذان دی کہ یہاں کا بہتا ہوا دریا، پہاڑ، درخت، سبزہ اور ریت سب مجھ فقیر کے لیے شاہد ہو جائیں۔»

(اکرامِ امام احمد رضا، ص:۹۵)

سبحان اللہ! بڑی قابلِ رشک ہے یہ نیت کہ اذان کے ساتھ اس مبارک نیت کے حسین امتزاج سے نہ صرف یہ کہ اس کا ثواب دوبالا ہو گیا، بلکہ بڑی بات یہ ہوئی کہ رسول کی سنت کامل طور سے ادا ہو گئی۔

رسولِ پاک ﷺ کا قول نیتِ حسنہ سے خالی نہیں ہوتا وہ خود فرماتے ہیں:

انما الاعمال بالنیات نیة المومن خیر من عمله.

(شعب الایمان، ص:۳۴۳، ج:۵)

تو آپ نے سفر میں جو اذان دی تھی وہ یقیناً نیتِ حسنہ (جو بھی ہو) کی مظہر ہوگی۔ اس لیے اعلیٰ حضرت اتباعِ رسول میں جب سفر میں اذان کی صدائے حق بلند کرتے ہیں تو اسے نیتِ حسنہ سے مزین و آراستہ کر کے بلند کرتے ہیں، تا کہ ظاہر و باطن ہر طرح سے رسول کے اسوۂ حسنہ کا کامل اتباع ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود ہی اقامت فرما کر امامت بھی کی تھی۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت بھی خود ہی اقامت و امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں کہ شیوۂ محبت یہی ہے کہ محبوب جو کچھ کرے محب وہ سب کچھ اس انداز سے بجا لائے۔

آپ نے یہ سبق صحابۂ کرام کے مکتبِ عشق سے سیکھا ہے۔ مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چوپائے پر سوار ہو کر دعا پڑھی، پھر ہنس پڑے۔ ان سے پوچھا گیا اے امیر المومنین! اس وقت آپ کے ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا:

رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم صَنَعَ کما صَنَعْتُ ثم ضحك. (سنن ترمذی، ص:۱۸۲، ج:۲)

میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا کہ ایسا ہی کیا، میں نے بھی ایسا ہی کیا، پھر آپ ہنس پڑے۔ (مطلب یہ ہے کہ میں نے اس موقع سے سرکار ﷺ کو ہنستے دیکھا ہے، اس لیے میں بھی ہنس پڑا، مقصود صرف سرکار کی ادا کا لحاظ ہے اور بس)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اسی مکتبِ عشق کے پروردہ تھے، اس لیے آپ نے بھی رسول ﷺ کو جو کرتے دیکھا اسی پر عمل پیرا ہو گئے اور رسول کو جیسے چلتے دیکھا اسی انداز سے چل پڑے، آپ ﷺ کی اداؤں کو اپنا حرزِ جان بنا لیا اور آپ کے نقشِ قدم کی پیروی کو دین و ایمان سمجھا۔

☆☆☆☆☆

(ص:۵۲ کا بقیہ) اس لئے اسلام مخالف مطالبات سے ماحول کو کشیدہ کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

جامع مسجد تکیہ پاڑہ کے خطیب و امام اور تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ کے کنوینر مولانا محمد عارف حسین مصباحی نے بنگال مسلم فورم پر ناراضگی جتاتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لاء کو پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ ممالک میں رائج اسلامی قوانین کی طرح کرنے کا مطالبہ کرنا غیر دانشمندانہ طرز عمل ہے کیونکہ اسلام پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ ممالک میں نازل نہیں ہوا کہ اس کے نقش قدم پر چلا جائے بلکہ مذہب اسلام نبی آخر الزماں ﷺ رب تعالیٰ کی طرف سے لے کے جلوہ فگن ہوئے۔ اس لئے آپ ﷺ کی اتباع لازم اور آپ ہی کو آئیڈیل اور نمونہ بنایا جائے گا لہذا "بنگال مسلم فورم" معاشرے میں امن و امان اور باہمی اتحاد و یگانگت کو برقرار رکھنے کے لئے اسلام مخالف شر انگیزی سے باز رہے۔

واضح ہو کہ سرزمین کلکتہ میں "بنگال مسلم فورم" نامی تنظیم نے عورتوں کے حقوق و حفاظت کے نام پر مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کرنے کے لئے جنگ چھیڑ رکھی ہے اس کا کہنا ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں مسلم پرسنل لا کے نفاذ کا کوئی جواز نہیں۔ جس کی وجہ سے مذہبی حلقوں میں کافی بے چینی پائی جا رہی ہے۔

(رپورٹ تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ)

رضویات

عشق رسول

کلام رضا کے آئینے میں

ڈاکٹر محمد افضل الدین جنیدی

محبت یہ لفظ «حب» سے ماخوذ ہے۔ «حب» ان بیجوں کو کہتے ہیں جو صحرا میں زمین پر گر جاتے ہیں اور خاک میں پوشیدہ ہو کر موسم کی سرد و گرم سختیوں کے باوجود جب نشوونما کا وقت آتا ہے تو یہ پھوٹ پڑتے ہیں ٹھیک اسی طرح جب کسی دل میں محبت کے بیج پڑتے ہیں تو آفت ہو یا بلا، رنج ہو یا غم لاکھ مصیبتیں، لاکھ رکاوٹیں بھی اسے ختم نہیں کرتی، جیسے کہ صحرا میں بیج پھوٹ نکلتے ہیں اس لیے اسے «حب» سے «حُبہ» کہا جانے لگا۔ یعنی محبت کی اصل حیات اسی میں مضمر ہے۔ سید محمد ذوقی نے مراتبِ محبت کے مندرجہ ذیل مدارج بیان کیے ہیں:

لحظہ: محبت کا مادہ اور مودت کی اصل ہے گویا کہ نطفہ ہے محبت کا۔

رمقہ: محسوسات میں کسی خوبی کا ادراک کر کے اُس کے تتبع کی جانب دل میں میلان کا پیدا ہونا۔

ھوا: موذت و محبت کا ظہورِ ابتدائی، محبت کے اصلی مراتب یہیں سے شروع ہوتے ہیں۔

ودّ: ایک سر ہے جو کیفیت ہوا کے پیدا ہونے سے باطن محب میں داخل ہوتا ہے۔

خلت: وائے روحانی میں موذت و محبت کا جڑ پکڑ لینا اور اثر کا پیدا ہونا جس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جملہ اعضا محبوب سے پُر اور اغیار سے خالی ہو جاتے ہیں۔

حب: وہ حالت جس میں قلب ماسوی المطلوب سے پاک ہو جائے۔

عشق: افراطِ محبت کا انتہائی مرتبہ۔

ذوقی کے اس بیان کردہ مراتبِ محبت سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ محبت مودت کے منازل طے کرتے ہوئے محسوسات و ادراک سے ماورا کیفیات کے حاصل ہو جانے اور ظاہری اعضا سے لے کر سر و باطنِ محبوب میں فنا ہو جائے، یہاں تک کہ اُسے خود کا پتہ نہ چلے اور ناظر و منظور شاہد و مشہود، طالب و مطلوب کی اصل ایک ہو جائے تو اس مقام منتہا کو "عشق" کہتے ہیں، اسی مناسبت سے ذوقی بیان کرتے ہیں:

«تصوف کی زبان میں عشق و محبت کی تعریف یہ ہوگی کہ جمیل حقیقی کا اجمالاً اور تفصیلاً اپنے کمال کی جانب میلان»

جیسے قرآن کے سورۃ بقرہ کے ۱۶۵ رویں آیت میں فرمانِ رب العزت ہے:

«والذین امنوا اشد حباً لله» اللہ کے مومن بندے وہی ہیں جو اُس سے ٹوٹ ٹوٹ کر محبت یا قوی تر محبت کرتے ہیں۔ اشد مبالغہ کا صیغہ اور اس میں زیادتی کے معنی آتے ہیں اور حبا میں بھی بہت زیادہ محبت کے معنی کا ظہور ہوتا ہے اس شدتِ محبت کو ہی «عشق» کا نام دیا گیا ہے۔

لیکن اللہ سے عشق براہِ راست نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ تعین و تعینات سے پاک، احساس و ادراک سے ماورا، ہماری عقل ہمارا احساس، ہماری نظر اسے احاطہ نہیں کر سکتی، اس لیے خدا نے قرآن میں خود فرمایا ہے:

«قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله»

آپ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

لہٰذا خدا کی محبت پانے کا واسطہ اتباعِ رسول ﷺ ہے اتباعِ رسول ﷺ کا حصول بغیر عشقِ رسول ﷺ کے حاصل نہیں ہوتا، عشقِ رسول ﷺ میں ڈوب کر ہی انسان باکمال بن سکتا ہے۔ کیوں کہ ایمان کی نعمتِ غیر مترقبہ عشقِ رسول ﷺ کے بغیر حاصل

نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے، سرکارِ دو جہاں ﷺ نے فرمایا:

«لایو من احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین» (متفق علیہ)

ترجمہ: تم میں کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام نوع انسان سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

عشق کی ابتدا اللہ رب العزت کے اس فرمان سے ہمیں ملتی ہے جسے حدیث قدسی کے طور پر حضور اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے:

«کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق»

ترجمہ: میں پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا۔

«فاحببت» میں عشق پوشیدہ ہے اور اس عشق کو شکل محمد ﷺ میں ظاہر کردیا گیا۔ لہٰذا اللہ کا عشق بھی محمد ﷺ ہیں، عاشق بھی محمد ﷺ ہیں، معشوق بھی محمد ﷺ ہیں۔

علامہ اقبال نے اس امر کی ترجمانی کچھ اس طرح کی ہے:

عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفی
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام

شبنم منیر کے اس اقتباس سے بھی مقامِ عشق کی موشگافیوں کا اندازہ ہوتا ہے لکھتے ہیں: «عشق وہ طاقت ہے جس کی بدولت انسان زمان و مکان پر غالب ہوجاتا ہے۔ عشق انسان کی جان ہے، عشق دین ہے، عشق آئین و قوانین ہے، عشق زندگی کو متحرک کرتا ہے اور اسے پست سے بالا اور زمین سے آسمان کردیتا ہے۔ عشق کا نام ہی رسول ﷺ ہے، اور خدا کا کلام بھی عشق ہے، اس لیے انسان کا مقصدِ حیات «صبغۃ اللہ» ہونا ہے اور یہ رنگ صرف عشق ہی کی بدولت انسان پاسکتا ہے۔» (اقبال کا تصورِ عشق، ص: ۲۷)

قلبِ کائنات کی دھڑکن عشقِ رسول ﷺ ہی سے دھڑک رہی ہے، کائنات کی حیات عشق رسول ﷺ کی آمد و رفت کی وجہ سے ہے اگر یہ سلسلہ عشق رک جائے تو کائنات تھم جائے۔ انسان اگر اپنے وجود میں رفعت و بلندی چاہے تو اس جوہر نایاب عشق رسول ﷺ کو اپنا حرزِ جاں بنالے۔ جیسے جیسے اس عشق رسول ﷺ میں پختگی ہوتی رہے گی اس طرح قرب خدا کی منازل طے ہوتے رہیں گے۔ عشق رسول ﷺ میں فنا ہوجانا گویا کہ اللہ کی ذات میں فنائیت کا حصول ہے اور یہی عشق مقامِ بقا عطا کرتا ہے جس کی بہترین مثال چودھویں صدی کی عظیم ہستی حسان الہند امام اہل سنت مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔

اعلیٰ حضرت کے عشقِ رسول ﷺ کی جلوہ فرمائیاں «سلام رضا» کے تناظر میں دیکھنے سے قبل سلام کی اہمیت اور خصوصیت کا مختصر جائزہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما.

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر صلوۃ بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی آپ ﷺ کی خدمت میں صلوۃ و سلام عرض کیا کرو۔

اس مبارک آیت میں رفعتِ شانِ مصطفی ﷺ کو واضح کیا جارہا ہے، جہاں درود و سلام پیش کرنے کا حکم اہل ایمان کو دیا جارہا ہے وہاں اس عمل کی عظمت کو بھی یوں بیان کیا جارہا ہے کہ یہ اتنا عظیم و اعلیٰ عمل ہے کہ خود خالق کائنات اور اس کے تمام فرشتے اپنے شایانِ شان اس عمل میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔

نماز جیسی عظیم عبادت میں اللہ رب العزت نے اپنی حمد و ثنا کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کی بارگاہ میں صلوۃ و سلام کو شامل فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تشہد کے جو کلمات سکھائے ان میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں:

«السلام علیک ایھا النبی ورحمتہ اللہ و برکاتہ»

مفتی محمد خاں قادری ان کلمات کے پیش نظر لکھتے ہیں:

«یاد رہے ان کلمات کے ساتھ نماز میں درود و سلام عرض کرنا واجب و سنت ہے تاہم نماز سے باہر جن الفاظ سے بھی صلوۃ و سلام عرض کیا جائے جائز ہے۔» (شرح سلام رضا، ص: ۵۰)

اسی شرعی اجازت کی بنا پر عاشقانِ رسول ﷺ ہر دور میں اپنے اپنے انداز، اپنی اپنی زبانوں میں نثر و نظم میں درود و سلام کے نذرانے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کیے ہیں۔

شیخ شرف الدین امام بوصیری کا عربی سلام (قصیدہ بردہ) جس طرح اپنے زمانے میں مقبول بارگاہِ رسالت و معروفِ دوراں ہوگیا جس کا یہ شعر ہر ایک کی زبان پر جاری و ساری ہے:

مولای صل وسلم دائماً ابداً
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

اسی طرح چودھویں صدی میں عاشقِ رسول ﷺ امام احمد

رضا کا یہ عشقیہ ترانہ «سلام رضا»

مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مقبولِ عام و خاص ہوگیا۔ جو ایک سو اکہتر (۱۷۱) اشعار پر مشتمل ہے۔ ہر شعر دعوتِ عشق رسول ﷺ دیتا ہے۔ ہر مصرع سے عشق کی ایک عجیب کیف و مستی کا ظہور ہوتا ہے، اس «سلام خیر الانام» کی مقبولیت کا اندازہ شارح کلامِ اقبال پروفیسر سلیم چشتی کے اس اقتباس سے ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

«مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے سرکارِ ابد قرار، زبدۂ کائنات، فخرِ موجودات حضرت محمد ﷺ کی بارگاہ میں جو سلام منظوم پیش کیا تھا اسے یقیناً شرفِ قبولیت حاصل ہوگیا کیوں کہ ہندو پاک میں شاید ہی کوئی عاشقِ رسول ﷺ ایسا ہوگا جس نے اس کے دو چار اشعار حفظ نہ کرلیے ہوں۔» (ندائے حق جون ۱۹۶۰ ص ۳۱)

«سلام رضا» کی مقبولیت کیوں نہ ہو یہ عظیم سلام ایسی شخصیت کے قلمِ فیض ترجمان سے صفحہ قرطاس پر ظہور پذیر ہوا ہے جو خود فنائے عشقِ رسول ﷺ ہے۔ جس کی ہر ادا ہر طریقہ شریعت مصطفی ﷺ کا پیکر نظر آتا ہے، جس نے تمام زندگی اسی عشق کی سوزش میں گذار دی اپنی تمام زندگی سرتا پا داعی عشقِ رسول ﷺ بنے رہے۔ اسی بنیاد پر ایک مقام پر امام احمد رضا، عشق رسول ﷺ کی اہمیت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

«اے عزیز! ایمان رسول ﷺ کی محبت سے مربوط ہے، اور آتش جاں سوز جہنم سے نجات ان کی الفت پر منوط (منحصر) ہے جو ان سے محبت نہیں رکھتا واللہ کہ ایمان کی بو اس کے مشام (ناک) تک نہیں آتی» (عشق رسول ﷺ، ص: ۸۰)

امام احمد رضا کی ذات میں عشق رسول ﷺ کا ایسا غلبہ طاری تھا کہ یہ عشق اُن کا حال بن گیا تھا، لہٰذا صاحبِ حال کے اقوال و اشعار میں بے ساختگی، عمق، مقناطیسیت، حقیقت و معرفت کا عنصر غالب ہوجاتا ہے۔ امام احمد رضا کا سلام اسی غلبۂ حال کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ ترانۂ عشق، ایسا ترانہ ہے جس کا ہر شعر قربِ محبوب پروردگار عطا کرتا ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر نسیم قریشی کی نظر جب اس «قصیدۂ سلامیہ» پر پڑی تو اُن کے قلم سے رہا نہ گیا اور یوں «سلام رضا» کی مدحت میں رقم طراز ہوئے:

«ہادی برحق، مقتدائے انسانیت، شفیع محشر کا ذکرِ پاک روحانی خوشی کی ایک جوئے حیات افزا تھی کہ بہہ رہی تھی، اس عالم و مستی میں عرض نیاز، سرشاری، سپردگی، الفت و عقیدت کا ایک ترانہ شوق تھا کہ بلند ہوا»

مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

طبیعت بے اختیار وجد کر اٹھی، ذہن کے دریچے بہارِ ابد کی جاں فزا ہواؤں کے لیے کھل گئے، وجود کا ذرہ ذرہ نغماتِ سرمدی کی سرشاریوں میں ڈوب گیا۔ کیا نغمہ کیا نظم، کیا والہانہ سلام، لفظ و بیان کے پیچ و خم ہیں کہ نیاز مندی کی تہ در تہ کیفیتوں میں مہک اٹھے ہیں۔ حسن معنی ہے کہ حسن عقیدت میں سمو کر زمزمہ وادی کے پیکر میں ڈھل گیا ہے» (ص ۵۹، عالمی سہارا۔ اعلیٰ حضرت نمبر)

"سلام رضا" کا ہر ہر شعر عشق رسول ﷺ میں سرشار ہے۔ احقر یہ سمجھتا ہے کہ ہر شعر کی تشریح کئی صفحات پر مشتمل ہوسکتی ہے، کیوں کہ اس سلام کا ہر شعر گویا سمندر کو کوزے میں لیے ہوئے ہے۔ اس «سلام مصطفی» کے ہر شعر میں سرکارِ دو جہاں ﷺ کی ذات کے ہمہ جہت پہلوؤں کا بیان ہے۔ جس کو پڑھنے سے سرکار ﷺ کے عشق میں جلا حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا «سلام رضا» میں امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کبھی حضورِ ابد قرار کے خصائص، کمالات اور معجزات کا ذکر کرتے ہیں، کبھی سرکار کے وجودِ مسعود کے بے مثل ہونے اور کبھی سراپا کا بیان میں ہر ہر عضو اس کی اہم خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ کبھی ولادت، بچپن و رضاعت کا بیان کرتے ہیں، کبھی خلوت و جلوت، ذکر و فکر، اور اہل و عیال کا ذکرِ پاک کرتے ہیں بہر حال یہ سلام سرکارِ ابد قرار کی گویا منظوم «سوانح حیات» ہے۔

اس سلام کے منتخب اشعار کو یہاں پیش کیا جارہا ہے جن سے امام احمد رضا فاضل بریلوی کا عشق رسول ﷺ عیاں ہوتا ہے۔

«سلام رضا» کا مطلع جس کو تکراراً پڑھا جاتا ہے:

مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

اس شعر میں سرکارِ دو جہاں کے خصائص کا ذکر ہوا ہے، مصطفی یعنی منتخب و مختار، مصفّٰی، منزّہ، مزکّٰی، مطہر، کثیر الفضائل، محبوب، پیکرِ وحدت و یگانگت، یعنی وہ وجود جو تمام آلائش و میل و کچیل سے پاک و صاف، منزّہ و مطہر اور سب سے اول تخلیق کیا گیا وہ «مصطفی» کے

لقب سے ملقب ہوا۔ جانِ رحمت یعنی سراپا رحمت ہونا، اصلِ رحمت ہونا، پیکرِ رحمت ہونا، ماخذ و منبع رحمت ہونا، وجہ تخلیق رحمت ہونا، روحِ رحمت، حیاتِ رحمت، طاقتِ رحمت، ہستِ رحمت، لب لباب رحمت، اگر مصطفیٰ جانِ رحمت کا معنیٰ بیان کیا جائے تو یہ ہوگا ایسی منتخب، مختار ومنزہ ذات جس کو مہربانی، لطف وکرم اور رحمت کی جان، اصل، حیات اور روح بنا دیا گیا ہے۔ یعنی امام احمد رضا عشق کی زبان میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مصطفیٰ ﷺ خلاصۃ الموجودات، جانِ عالم اور اجمال ہے اُن اسماوصفات کا جن کا ظہور، خلاصۂ کائنات ہے۔ یہ کائنات تمام کی تمام اُسی رحمت سے ہے جو جانِ رحمت ہے۔ شمع کا عام معنیٰ، چراغ، موم بتی لیا گیا ہے، لیکن یہ معنیٰ اس عظیم ہستی جو رحمت اللعالمین ہے کچھ سا جتا نہیں، عاشق، عشق کی شمع پہ جب نثار ہوتا ہے تو عقلی معنیٰ ومراد رہ جاتے ہیں۔ یہاں شمع سے مراد پرتوِ انوارِ معارف جو سالک کے دل پر چمکتا ہے، نورِ عرفان جس سے سالک کا دل منور ہوتا ہے وہ نورِ تجلی جو مظاہر حق کی کھڑکیوں میں سے مثالی صورتوں کے ذریعہ اپنا جمال منعکس کرتا ہے۔ بزمِ ہدایت سے جماعتِ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔ یعنی تمام انبیا سالک راہِ حق ہیں تو ذاتِ سرورِ کائنات اس راہ کا نورِ تجلی ہے جو تمام ہادیانِ حق کو روشنی اور نور عطا کرتی ہے۔ امام احمد رضا ایسی عظیم بارگاہ میں لاکھوں سلام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

لفظ جان کی شرح خود یہ عاشقِ رسول ﷺ یعنی اعلیٰ حضرت ایک مقام پر یوں بیان کرتے ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

امام احمد رضا کی تمام زندگی عشقِ رسول ﷺ کا درخشاں باب ہے۔ جب آں حضرت ﷺ کا عشق مثل خون وجود میں دوڑنے لگتا ہے اس عشق سے روح طمانیت حاصل کرتی ہے۔ سینہ خوش بوئے عشق سے معطر ہوجاتا ہے، دل ذکرِ محبوب سے جھوم اُٹھتا ہے۔ اور ذہن میں تصور جاناں راسخ ہوجاتا ہے تو وہ عاشق فنافی الرسول ﷺ کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ پس اُس کو محبوب کی ہر ہر ادا کے ذکر سے فرحت وانبساط حاصل ہوتا ہے، وہ محبوب کے ہر ہر عضو کو نگاہ عشق سے دیکھتا ہے تو اُس پر معرفت کے ابواب کھل جاتے ہیں اُس کی نظر وہاں پہنچ جاتی ہے جو عام انسان نہیں دیکھ سکتا۔ امام احمد رضا اسی والہانہ عشق کی کیف ومستی میں مستغرق ہوکر اپنے محبوب کے تمام اعضائے پاک کا ذکر اپنے عشقیہ سلام میں کرتے ہیں۔

کیوں کہ محب، محبوب کی ہر ہر نسبت سے عشق رکھتا ہے یہاں امام عشق ومحبت اپنے محبوب کے تمام اعضائے پاک کا ذکر کس والہانہ کیف ومستی میں کرتے ہیں کہ سرکار دو جہاں ﷺ کی نگاہِ عنایت، رفعتِ بینی، خدِ مبارک، رشاقتِ قد، رنگتِ جسم، چہرہ مبارک، ریشِ مبارک، طراوتِ دہن، دہن کو چشمۂ علم وحکمت سے، زبان کو کُن کی کُنجی سے تعبیر کرنا، زباں کی فصاحت، بلاغت، لذت وہیبت کا ذکر، لبوں کی نزاکت، تبسم وتسکین، شانہ مبارک، پشت مبارک، ہاتھ وبازوے مبارک کا بیان عاشقانہ پیرایے میں بیان فرماتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ اشعار نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت تصورِ محبوب کی مجسم تصویر کو دل کی تختی پر اتار رہے ہیں۔ لہٰذا «سلام رضا» کے یہ اشعار جو عشق ومحبت کے غماز ہیں اور محبوب کے تصور کی عکاسی کر رہے ہیں، عشق ومحبت میں ڈوب کر اپنے ذہن ودل میں حبیبِ پروردگار ﷺ کا تصور جماتے ہوئے سرکار کا سراپا ملاحظہ کیجیے:

جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا
اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود
اُن کے قد کی رشاقت پہ لاکھوں سلام
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اُس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام
ریش خوش معتدل مرہم ریش دل
ہالۂ ماہِ ندرت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں
اُن لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
جس کے پانی سے شاداب جان وجناں
اُس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
اُس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود
اُس کی دلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام
اُس کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں درود
اُس کی خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام
جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑے
اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

جس میں نہریں ہیں شیر وشکر کی رواں
اُس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام
دوش بر دوش ہے جن سے شانِ شرف
ایسے شانوں کی شوکت پہ لاکھوں سلام
جس کو بارِ دو عالم کی پرواہ نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
نور کے چشمے لہرائے دریا بہے
اُنگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

ان تمام اشعار میں اعلیٰ حضرت نے اپنے محبوب کے اعضا مبارکہ کا ذکر کیا ہے۔ عشق کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ عاشق اپنے معشوق کی ہر چیز سے محبت رکھتا ہے اور اُن محبتوں کو اپنے عشق کی رو میں بیان کرتا جاتا ہے، جسمِ اطہر کا بیان کرتے ہوئے جب اعلیٰ حضرت سرکارِ دو عالم ﷺ کے قلبِ مطہر پر پہنچتے ہیں تو اس قلب میں وحدت کے رموز کے سوا کچھ نہیں پاتے لہٰذا مدحتِ دل کو کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں ؎

دل سمجھ سے ورا ہے مگر یوں کہوں
غنچۂ رازِ وحدت پہ لاکھوں سلام

امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنے محبوب کے عشق میں ایسے محو مستغرق نظر آتے ہیں کہ اُن کے قلب وذہن وروح میں صرف محبوب ہی محبوب ہے۔ یہ عاشق صادق اس محبوب کے عشق میں ایسا غرق ہے کہ اس ذاتِ اقدس کے سوا کچھ جانتا نہیں، سمجھتا نہیں اور سوچتا نہیں، جب اس حد درجہ عشق کی وادی میں عاشق غرق ہوجاتا ہے تو اُس پر معشوق کے مقامات کا انکشاف ہونے لگتا ہے، یہ مکاشفاتِ قلبی سے عشق کے اعلیٰ تر درجات کا علم اُس کے قلب پر وارد ہونے لگتا ہے اور وہ اپنے معشوق کے منتہی مقامات کا افہام وادراک کرنے لگتا ہے، امام عشق ومحبت اعلیٰ حضرت اسی استغراقِ کیفیتِ عشق کی وجہ سے سرکارِ دو جہاں ﷺ کی ذاتِ اقدس کے لطیف حقائق کا ادراک جو اُنہیں حاصل ہوا اسی بنا پر وہ مظہر ذات خدا ﷺ کو کبھی سرِ وحدت لکھتے ہیں تو کبھی مرکز دورِ کثرت، آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو بیان کرتے ہیں:

نقطۂ سرِ وحدت پہ یکتا درود
مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام

عشق، معشوق کے ہر پہلو سے آگاہ کروا دیتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی ذات میں عشق رسول ﷺ کی جلوہ فرمائی اس قدر تھی کہ سرکارِ دو جہاں کی ذات اقدس کا فیض امام عشق محبت میں موج زن نظر آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے قلب پر سرکارِ دو جہاں ﷺ کے مقاماتِ اعلیٰ کا انکشاف ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے۔

چناں چہ اس عشق صادق کی وجہ سے «حقیقتِ محمدیہ» اُن پر منکشف ہوگئی ہے، لہٰذا «سلام رضا» میں اسی «حقیقتِ محمدیہ» کا انکشاف ہے، وہ سرکار کی ذاتِ لطیف کو اصلِ ہر بود و بہبود وتخم وجود کہہ کر عیاں کرتے ہیں۔ کبھی قاسمِ کنز نعمت، کبھی شرق انوارِ قدرت، کبھی فتیقِ ازہار قربت، کبھی ماہِ لاہوتِ خلوت، کبھی شان ناسوتِ جلوت، کبھی پرتو اسمِ ذات احد، کبھی نسخۂ جامعیت، کبھی انتہائے دوئی، کبھی جمع تفریق و کثرت، کبھی معنی قدرانی مقصد، کبھی نرگس باغِ قدرت، اور کبھی غنچۂ رازِ وحدت جیسے درجات بیان کرتے ہیں «سلام رضا» میں یہ راز ہائے پنہاں کو امام عشق ومحبت نے اپنے عشقیہ کیف ومستی میں گم ہوکر کس طرح اشعار کا جامہ پہنانے کی سعی بلیغ کی ہے ملاحظہ فرمائیں ؎

اصلِ ہر بود و بہبود تخم وجود
قاسم کنزِ نعمت پہ لاکھوں سلام
ماہِ لاہوت خلوت پہ لاکھوں سلام
شاہِ ناسوتِ جلوت پہ لاکھوں سلام
پر تو اسم ذات احد پر درود
نسخۂ جامعیت پہ لاکھوں سلام
انتہائے دوئی ابتدائے یکی
جمع تفریق و کثرت پہ لاکھوں سلام

یہ مذکورہ رموزِ پنہاں عشقِ رسول کی ہی ضوفشانیاں ہیں جس کا انعکاس عاشقِ صادق کے قلب سے ہو رہا ہے۔

اس «سلام عشقیہ» میں ایک ایسا اسرار ورموز سے لبریز شعر ہے جس کو تمام سلام کی روح کہا جاسکتا ہے۔ جو «حقیقتِ محمدیہ» کا عین مظہر ہے۔ یہ شعر حقائقِ عینیہ یعنی وہ امور جو ذات میں موجود ہیں بلکہ عین ذات کا جامع اظہار ہے۔ یہ شعر وہی ہستی کہہ سکتی ہے جو عشقِ ذات رکھتی ہو۔ امام احمد رضا کا عشق سرکار دو جہاں ﷺ کے ہر ہر صفات سے گذرتا ہوا ذاتِ سرکار جو مظہر «ھو» ہے اُس اعلیٰ مقام تک رسائی کیا ہوا ہے۔ تمکین واستقلال وقرار وثبات میں یہ عاشقِ رسول متمکن ہے۔ اس شعر سے پہلے «حقیقت محمدیہ» کی کچھ نہ کچھ سمجھ ضروری ہوگی «حقیقت محمدیہ»، «ممکن الوجود» اور «واجب الوجود» کے

درمیان برزخ اور واسطہ ہے۔ یہ تعین اول، برزخ کبریٰ اور رابطہ بین الظہور ہے اس مقام کو مقام تجرید و وحدت بھی کہا جاتا ہے۔ اب آئیں اُس شعر کی طرف جس میں اس عاشقِ رسول ﷺ امام احمد رضا کے عشق کی پرواز کا اندازہ ہوتا ہے۔ اپنے دل کو لذتِ عشق دیتے ہوئے اور روح کو روح مصطفی ﷺ کے گرد وجد کراتے ہوئے کیف و سرور مستی کے عالم میں اپنے آپ کو کھوتے ہوئے ان عاشقِ سرورِ کائنات ﷺ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت کا شعر سماعت فرمائیں۔

شمعِ بزمِ دنیٰ، ہو میں گم کن انا
شرحِ متنِ ہویت پہ لاکھوں سلام

حضور اکرم ﷺ « شمعِ بزمِ ہدایت » ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ہی کی ذات اقدس « شمع بزم دنیٰ » ہے۔ آگے دیکھیے کس طرح یہ عاشقِ رسول « حقیقت محمدی ﷺ » سے پردے اٹھاتے ہوئے گویا ہوتے ہیں کہ سرکار دو جہاں کی « انا » مقام « ھو » میں گم ہے یعنی حضور اکرم ﷺ « فنافی الھو » ہیں۔ اسی مقام کو شارح بردہ شیخ زادہؒ نے یوں بیان کیا ہے:

هو يتك فى هويته واضمحلت انا نيتك فى احديته فانت من الله والى الله ولله وبا لله ارادتك منه ورجوعك اليه وسعيك وقيامك به.

ترجمہ: آپ کی ہویت اس کی ہویت اور آپ کی ذات اس کی احدیت میں فنا ہو چکی ہے۔ پس آپ اللہ سے، اللہ کی طرف، اللہ کے لیے، اللہ کے ساتھ ہیں۔ آپ کا ارادہ اس طرف سے آپ کا رجوع اس کی طرف آپ کی سعی و قیام اسی کے لیے ہے۔

اس قرب ہو اور مقام دنیٰ کی منظر کشی امام عشق و محبت اعلیٰ حضرت نے قصیدہ معراجیہ میں بھی کی ہے شعر ملاحظہ ہو:

ہوانہ آخر کہ ایک بجرا تموج بحرِ ھو میں ابھرا
دنیٰ کی گودی میں ان کو لے کر فنا کے لنگر اٹھا دیئے تھے
اٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جہاں نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے ارے تھے

امام احمد رضا کا عشق رسول اس درجہ عروج پر تھا کہ ان پر عیاں ہونے والے مقامات « حقیقت محمدیہ » کے انکشافات کا اندازہ اس شعر سے ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے سرکار کی ذات پاک کو « شرح متن ہویت » سے تعبیر کی ہے یعنی « ہویت » جو اسماء و صفات میں پوشیدہ ہیں۔ ان اسماء و صفات کا اظہار اگر کسی ذات اقدس سے ہوتا ہے تو وہ ذات صرف سرکار دو جہاں ﷺ کی ذات مبارک ہے۔

یہ عشقیہ ترانہ « سلام رضا » اول تا آخر عشقِ رسول ﷺ میں سرشار ہر شعر سے خوشبوئے عشق رسول ﷺ آتی ہے اور وجود کے نہاں خانوں کو معطر و معنبر کرتی جاتی ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے عشقِ رسول ﷺ ہی کا نتیجہ یہ عظیم کیف و مستی اور سرورِ عشق میں ڈوبا ہوا، « سلام خیر الانام » ہے۔ اپنے اس مقالے کا اختتام عشق میں ڈوبی ہوئی سلام رضا کی ان تراکیب کے ذکر سے کر رہا ہوں جس کو مفتی محمد خاں قادری نے « شرح سلام رضا » کے ابتدا میں بیان کیے ہیں:

« عاشق رسول ﷺ نے اپنے سلام نیاز میں اس جامع صفات ہستی کے جن چند اوصاف و محاسن کا تذکرہ کیا ہے اور فرطِ عقیدت میں جو خوش رنگ نعتیہ پھول نذر کیے ہیں۔ جیسے، مصطفیٰ جانِ رحمت، شمعِ بزمِ ہدایت، مہرِ چرخِ نبوت، گلِ باغِ رسالت، شہرِ یارِ ارم، تاجدارِ حرم، نو بہارِ شفاعت، شبِ اسریٰ کے دولہا، نوشہِ بزمِ جنت، عرش کی زیب و زینت، فرش کی طیب و نزہت، نورِ عینِ لطافت، زیب و زینِ نظامت، سرو نازِ قدم، مغزِ رازِ حکم، یکتہ نازِ فضیلت، نقطۂ سرِ وحدت، مرکزِ دورِ کثرت، صاحبِ رجعتِ شمس، صاحبِ شق القمر، نائبِ دستِ قدرت، اصلِ ہر بود و بہبود، تخمِ وجود، قاسمِ کنزِ نعمت، فتحِ بابِ نبوت، ختمِ دورِ رسالت، شرقِ انوارِ قدرت، فتقِ ازہارِ قربت، بے عدیل مثیل، جوہرِ فردِ عزت، سرِ غیبِ ہدایت، عطرِ حبیبِ نہایت، ماہِ لاہوتِ خلوت، شاہِ ناسوتِ جلوت، کنزِ ہر بے کس و بے نوا، حرزِ ہر رفتہ طاقت، پرتوِ اسمِ ذاتِ احد، نسخہ جامعیت، مطلعِ ہر سعادت، مقطعِ ہر سیادت، خلق کے دادرس، سب کے فریادرس، کہفِ روزِ مصیبت، مجھ سے بیکس کی دولت، مجھ سے بے بس کی قوت، شمعِ بزمِ دنا ھو میں گم کن انا شرحِ متنِ ہویت، انتہائے دوئی، ابتدائے یکی، جمعِ تفریق و کثرت، طلعت بعد ظلمت، عزت بعد ذلت، ربِ اعلیٰ کی نعمت، حق تعالیٰ کی منت، ہم غریبوں کے آقا، ہم فقیروں کی ثروت، فرحتِ جانِ مومن، غیظِ قلبِ ضلالت، سببِ ہر سبب، منتہائے طلب، علتِ جملہ علت، مصدرِ مظہریت، مظہرِ مصدریت، گلِ پاک منبت، قدِ بے سایہ کے سایہ مرحمت، ظلِ ممدود رافت۔

ان کی دید شنید سے اپنی اور سب اہل محبت کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل و دماغ کی تنویر کا سامان کر رہا ہوں۔ »

☆☆☆☆☆

امام احمد رضا اور تشدد

ایک جائزہ

مولانا محمد اسلم رضا قادری

اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ السامی (۱۲۷۲-۱۳۴۰ھ) عالمِ اسلام کی اس ہشت پہلو شخصیت کا نام ہے جو فکر و مزاج کے اعتبار سے نہایت نرم، حسنِ اخلاق و کردار کے پیکرِ جمیل اور احسان و مروت، پیار و شفقت کی اعلیٰ منازل پر فائز تھے۔ اس کے باوجود بھی حریفوں نے ان کی فکر و شخصیت کو شدت پسند، مکفر المسلمین، انگریز نواز اور بدعات و منکرات کو فروغ دینے والا کہنے اور مشہور و بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ لیکن حقائق و شواہد اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ امام احمد رضا کو بدنام کرنے کی ان کے مخالفوں نے جتنی بھی سازشیں اور جعل سازیاں کیں، انھیں جب کسوٹی پر پرکھا گیا، جانچا گیا تو اصحابِ فکر و بصیرت پکار اٹھے کہ جس کے بارے میں اس قدر پروپیگنڈے اور بے بنیاد الزامات و اتہامات کی بوچھار کی جا رہی ہے۔ وہ تو منکسر المزاجی، صلہ رحمی، عفو و درگزر اور بلند اخلاق کا ایک مہرِ درخشاں ہے، جس کی تابانی اور ضوفشانی کے آگے بڑے بڑے ہیچ نظر آتے ہیں۔

راقم سطور اپنے اس مقالے میں امام احمد رضا محدث بریلوی کے فتاویٰ و کتب اور رسائل کی روشنی میں اس بات کو اچھی طرح واضح اور روشن کرنے کی کوشش کرے گا کہ محدث بریلوی پر شدت پسندی اور تند مزاجی کا جو بے اصل الزام لگایا گیا ہے، امام موصوف علیہ الرحمہ کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ بات تو آفتاب کے مانند روشن ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ جس مذہب مہذب کے داعی و مبلغ تھے، وہ مذہب کبھی اور کسی وقت بھی سختی اور تشدد کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ وہ تو ہر وقت نرمی اور آسانی کا پیغام بر ہے۔ دیکھیے قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

«لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ» (البقرۃ: ۲/۲۵۶)

[ترجمہ] کچھ زبردستی نہیں دین میں۔

«يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ»

(البقرۃ: ۲/۱۸۵)

[ترجمہ] اللہ تعالیٰ تم پر آسانیاں چاہتا ہے، اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

«وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ» (الحج: ۲۲/۷۸)

[ترجمہ] اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔

«لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا» (البقرۃ: ۲/۲۸۶)

[ترجمہ] اللہ تعالیٰ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

اور احادیث نبوی ﷺ میں بھی واضح ارشادات ملتے ہیں۔ چند پیشِ قارئین ہیں:

«اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ» (بخاری: ۱/۲۳، رقم: ۳۹)

[ترجمہ] بے شک یہ دین آسان ہے۔

حضور نبی رحمت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فلسطین کی طرف بھیجا تو یہ ہدایت فرمائی:

«يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا»

(بخاری: ۲/۱۰۶۳، رقم: ۶۸۸۷، کتاب الاحکام)

[ترجمہ] آسانی پیدا کرنا، تنگی نہ کرنا، خوش خبری دینا، متنفر نہ کرنا، باہم خوش دلی سے کام کرنا۔

«يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا»

(بخاری: ۱/۱۶، رقم: ۷۰، کتاب العلم)

[ترجمہ] آسانیاں پیدا کرو، تنگیاں پیدا نہ کرو، خوش خبریاں پھیلاؤ، نفرتیں مت پھیلاؤ۔

بلاشبہہ امام احمد رضا محدث بریلوی نے ہمیشہ اس فکر و نظر کو عام و تام کرتے ہوئے اپنی تعلیمات کے ذریعہ مسلمانوں کو بے راہ روی، گم

راہی اور بے دینی سے بچانے کی بھرپور کوشش فرمائی، جس کی بے شمار نظیریں آپ کی تصانیف میں جا بہ جا دیکھی جاسکتی ہیں۔ امام احمد رضا دین و مسلک کے ایک عظیم پاسبان و ترجمان کا نام ہے، جن کے فکر و مزاج میں ہرگز تلخی و سختی نہ تھی۔ یہ دیکھیے امام موصوف خود لکھتے ہیں۔

«مقاصد شرع کا ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعتِ مطہرہ رفق و تیسیر پسند فرماتی ہے، نہ معاذ اللہ تضییق و تشدید۔»

(فتاویٰ رضویہ: ۵/۱۰۷، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

ایک دوسری جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

«دیکھو! نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز نہیں حاصل ہو سکتے۔ اگر اس شخص سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی، جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں، یہ جو وہابیہ میں بڑے بڑے ہیں ان سے بھی ابتدا میں بہت نرمی کی گئی، مگر چوں کہ ان دلوں میں وہابیت راسخ ہو گئی تھی اور مصداق «ثُمَّ لَا يَعُودُونَ» حق نہ مانا، اس وقت سختی کی گئی کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

«يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ»

اے نبی جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کرو۔

اور مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے:

«وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً»

لازم ہے کہ وہ تم میں درشتی پائیں۔»

(الملفوظ ص: ۳۲، حصہ اول، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔ ۲۰۰۶ء)

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کیا کس قدر واضح الفاظ میں فرمارہے ہیں کہ نرمی اور آسانی میں فوائد ہیں۔ مگر پھر بھی مخالفوں کا یہ کہنا کہ وہ متشدد، سخت گیر تھے، بڑا ہی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ جب ایک قاری حیاتِ رضا کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ سوال بار بار ابھرتا ہے کہ آخر ہر وقت امام احمد رضا ہی کو تنقید کا نشانہ کیوں بنایا جاتا ہے؟ ماہر رضویات، سعادتِ لوح و قلم پروفیسر مسعود احمد نقش بندی (کراچی) اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

«امام احمد رضا سے مخالفت کی سب سے بڑی وجہ مسلک سلفِ صالحین پر ان کی بے پناہ استقامت اور اس کی اشاعت کے لیے ان کی سرگرمی اور اس مسلک کے مخالفین پر ان کی سخت تنقیدات معلوم ہوتی ہیں۔ بہر کیف امام احمد رضا کی مصلحانہ، مجددانہ، اور ناقدانہ مساعی کا شدید ردِ عمل ہوا۔ طرح طرح کے الزامات لگائے گئے، اور ان کی تشہیر کے لیے پوری توانائیاں صرف کی گئیں۔ اور جب تک یہ یقین نہیں ہو گیا کہ علمی سطح پر امام احمد رضا کی ہوا اکھڑ گئی، دم نہ لیا، شاید سطحی نظر رکھنے والوں کی نگاہ میں یہ الزامات کوئی وقعت رکھتے ہوں، مگر تاریخ پر جن لوگوں کی گہری نظر ہے، ان کو معلوم ہے کہ یہ الزامات بے بنیاد ہیں، اور بعض سیاسی و مذہبی مصالح کی بنا پر بھی لگائے گئے ہیں۔»

(امام احمد رضا اور ردِ بدعات و منکرات، ص: ۸۸)

محبتِ رسول ایمان ہی نہیں بلکہ جانِ ایمان اور اصل ایمان ہے۔ امام احمد رضا جہاں ایک زبردست عالم، فقیہ اور محدث تھے، وہیں حضور اقدس ﷺ کے عشق میں سرشار تھے۔ فرماتے ہیں:

«اے عزیز! ایمان رسول اللہ ﷺ کی محبت سے مربوط ہے، اور آتشِ جاں سوز جہنم سے نجات ان کی الفت پر منوط، جو ان سے محبت نہیں رکھتا واللہ کہ ایمان کی بو اس کے مشام تک نہ آئی۔

جانِ برادر! تو نے کبھی سنا ہے کہ جس شخص کو تجھ سے الفتِ صادقہ ہے، وہ تیری اچھی بات سن کر چیں بہ جبیں ہو اور اس کی محو کی فکر میں رہے، اور پھر محبوب بھی کیسا، جانِ ایمان و کانِ احسان، جس کے جمالِ جہاں آرا کا نظیر کہیں نہیں ملے گا اور خامۂ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا۔»

(مجموعہ رسائل مسئلہ نور و سایہ، ص: ۴۷، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

کتنے پیار بھرے انداز میں عشق و محبتِ رسول ﷺ کا پیغام دیا گیا ہے، اس قدر میٹھے بول میں بھی اگر کسی کو تشدد و تلخی نظر آئے تو اس کی آنکھ و دل کا قصور ہے۔ ایک غلام کو اپنے آقا کے ساتھ کیا انداز ہونا چاہیے، امام احمد رضا کی زبانی سنیے، فرماتے ہیں:

«اے عزیز! چشمِ خرد میں سرمۂ انصاف لگا اور گوشۂ قبول سے پنبۂ انکار نکال، پھر تمام اہلِ اسلام بلکہ ہر مذہب و ملت کے عقلا سے پوچھتا پھر کہ عشاق کا اپنے محبوب کے ساتھ کیا طریقہ ہوتا ہے اور غلاموں کو مولیٰ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے، آیا نشرِ فضائل و تکثیرِ مدائح اور ان کی خوبیِ حسن سن کر باغ باغ ہو جانا، جامے میں پھولے نہ سمانا، یا ردِ محاسن، نفیِ کمالات اور ان کے اوصافِ حمیدہ سے بہ انکار و تکذیب پیش آنا۔ اگر ایک عاقل منصف بھی تجھ سے کہہ دے کہ نہ وہ دوستی کا مقتضیٰ، نہ یہ غلامی کے خلاف ہے، تو تجھے اختیار ہے، ورنہ خدا و رسول سے شرما اور اس حرکتِ بے جا سے باز آ۔ یقین جان لے کہ محمد ﷺ کی خوبیاں تیرے مٹائے نہ مٹیں گی۔» (نور و سایہ، ص: ۶۷، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

جب دین اسلام میں تشدد و سختی ہے ہی نہیں تو امام احمد رضا جو اتباعِ شریعت اور پیروی سنت میں اپنی مثال آپ تھے، وہ کیسے سختی پسند اور تلخ آمیز گفتگو کرنے والے ہو سکتے ہیں؟ اگر آپ کے قلب و روح کو اب بھی تسکین نہ ہوئی ہو تو ٹھنڈے دل سے امام موصوف کے فتاویٰ کا یہ حصہ بغور اور انصاف نظر کے ساتھ پڑھ لیجیے، حقیقت آپ پر خود واضح ہو جائے گی۔ امام احمد رضا لکھتے ہیں:

«اے عزیز! دین بحمد اللہ آسانی و سماحت کے ساتھ آیا، جو اسے اس کے طور پر لے گا اس کے لیے ہمیشہ رفق و نرمی ہے اور جو تعمق و تشدد کو راہ دے گا، یہ دین اس کے لیے سخت ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ وہی تھک رہے گا اور اپنی سخت گیری کی آپ ندامت اٹھائے گا۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

«ان الدین یسر ولن یشدد الدین احد الا غلبه فسددوا و قاربوا وبشروا» (بخاری: ۱/۱۰، رقم: ۳۹، کتاب الایمان)

بے شک یہ دین آسان ہے اور جو بھی دین میں سختی اختیار کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا، اس لیے میانہ روی اختیار کرو اور قریب قریب ہو جاؤ اور بشارت دیتے رہو۔» (فتاویٰ رضویہ: ۲/۱۰۶)

جو دین خود رفق و نرمی کے ساتھ ہی نازل ہوا ہو اسے امام احمد رضا محدث بریلوی نے سخت کیسے کر دیا، یہ بات تو ایک کم عقل و بے علم بھی نہیں کہہ سکتا، اور یہاں تو معاملہ بالکل الٹا ہے، بڑے بڑے جبہ و قبہ والے امام موصوف کو متشدد کہتے ہیں، خدا انھیں عقل سلیم عطا فرمائے۔

جو شخص ہر موڑ پر مسلمانوں کو عزیز اور دینی بھائی کہہ کر پکارے وہ متشدد فی الدین ہو، یہ سمجھ سے بالاتر بات ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی عظمت و عزت اور رفعت و تعظیم کے متعلق کیا ہی خوب نرالے انداز میں قومِ مسلم کے لیے ایک پیغام تحریر فرماتے ہیں جو امعانِ نظر کے ساتھ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں:

«جانِ برادر! اپنے ایمان پر رحم کر، خدائے قہار و جبار جل جلالہ سے لڑائی نہ باندھ، وہ تیرے اور تمام جہان کی پیدائش سے پہلے ازل میں لکھ چکا: «وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ» یعنی ارشاد ہوتا ہے اے محبوب ہمارے! ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا کہ جہاں ہماری یاد ہوگی، تمہارا بھی چرچا ہوگا اور ایمان بے تمہاری یاد کے ہرگز پورا نہیں ہوگا۔ آسمانوں کے طبقے اور زمینوں کے پردے تمہارے نامِ نامی سے گونجیں گے، موذن اذانوں اور خطیب خطبوں اور ذاکرین اپنی مجالس اور واعظین اپنے منابر پر ہمارے ذکر کے ساتھ تمہاری یاد کریں گے۔ اشجار و احجار، آہو و سوسمار و دیگر جاندار و اطفالِ شیر خوار و معبودانِ کفار جس طرح ہماری توحید بتائیں گے، ویسا ہی بہ زبانِ فصیح و بیانِ صحیح تمہارا منشورِ رسالت پڑھ کر سنائیں گے، چار اکنافِ عالم میں «لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ» کا غلغلہ ہوگا۔ جز اشقیائے ازل ہر ذرہ کلمۂ شہادت پڑھتا ہوگا، مسبحانِ ملاء اعلیٰ کو ادھر اپنی تسبیح و تقدیس میں مصروف کروں گا، ادھر تمہارے محمود و رود مسعود کا حکم دوں گا، عرش و کرسی، ہفت اوراق سدرہ، قصورِ جناں، جہاں پر «اللہ» لکھوں گا «محمد رسول اللہ» بھی تحریر فرماؤں گا۔ اپنے پیغمبروں اور اولوالعزم رسولوں کو ارشاد کروں گا کہ ہر وقت تمہارا دم بھریں اور تمہاری یاد سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور جگر کو ٹھنڈک اور قلب کو تسکین اور بزم کو تزئین دیں، جو کتاب نازل کروں گا اس میں تمہاری مدح و ستائش اور جمالِ صورت و کمالِ سیرت ایسی تشریح و توضیح سے بیان کروں گا کہ سننے والوں کے دل بے اختیار تمہاری طرف جھک جائیں گے اور نادیدہ تمہارے عشق کی شمع ان کے کانوں، سینوں میں بھڑک اٹھے گی۔ ایک عالم اگر تمہارا دشمن ہو کر تمہاری تنقیصِ شان اور محوِ فضائل میں مشغول ہو تو میں قادرِ مطلق ہوں، میرے ساتھ کسی کا کیا بس چلے گا؟ آخر اسی وعدے کا اثر تھا کہ یہود صدہا برس سے اپنی کتابوں سے ان کا ذکر نکالتے اور چاند پر خاک ڈالتے ہیں، تو اہل ایمان اس بلند آواز سے ان کی نعت سناتے ہیں کہ سامع اگر انصاف کرے، بے ساختہ پکار اٹھے۔ لاکھوں بے دینوں نے ان کے محوِ فضائل پر کمر باندھی، مگر مٹانے والے خود مٹ گئے اور ان کی خوبی روز بہ روز مترقی رہی، پھر اپنے مقصود سے تو یاس و ناامیدی کر لینا مناسب ہے، ورنہ بربِ کعبہ ان کا کچھ نقصان نہیں، بالآخر ایک دن تو نہیں، تیرا ایمان نہیں۔»

عظمت و رفعتِ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کا بیان تحریر کرنے کے بعد بطور نصیحت لکھتے ہیں:

«اے عزیز! سلف صالح کی روش اختیار کر اور ان کے قدم پر قدم رکھ، ائمۂ دین کا وطیرہ ایسے معاملات میں دائماً تسلیم و قبول رہا ہے۔ جب کسی ثقہ معتمد علیہ نے کوئی معجزہ یا خاصہ ذکر کر دیا، اسے مرحبا کہہ کر لیا، اور جیبِ جان میں بہ طیبِ خاطر جگہ دی، یہاں تک کہ اگر اپنے آپ احادیث میں اس کی اصل نہ پائی، قصور اپنی نظر کا جانا، یہ کبھی نہ کہا کہ غلط ہے، باطل ہے، کسی حدیث میں وارد نہیں۔ نہ

یہی ہوا کہ جب حدیث سے ثبوت نہ ملا تھا اس کے ذکر سے باز رہتے، بلکہ اسی طرح اپنی تصانیف میں اس ثقہ کے اعتماد پر اسے لکھتے آئے اور کیوں نہ ہو، مقتضی عقل سلیم کا یہی ہے۔» (مجموعہ رسائل مسئلہ نور وسایہ، ص:۷۶، ۷۷۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

فرقۂ ناجیہ (یعنی اہل سنت و جماعت) کی اتباع و پیروی کے متعلق امام احمد رضا محدث بریلوی علامہ سیدی احمد مصری طحطاوی قدس سرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

«اے گروہِ مسلمین! تم پر فرقۂ ناجیہ اہل سنت و جماعت کی پیروی لازم ہے کہ خدا کی مدد اور اس کا حافظ و کارساز رہنا موافقت اہلِ سنت میں ہے، اور اس کا چھوڑ دینا اور غضب فرمانا اور دشمن بنانا سنیوں کی مخالفت میں ہے۔ اور یہ نجات والا گروہ اب چار مذہب میں مجتمع ہے، حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے، اس زمانے میں ان چار سے باہر ہونے والا بدعتی جہنمی ہے۔» (فتاویٰ رضویہ، ۳/ ۲۹۲، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)۔

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کے یہاں تشدد نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ تشدد کہاں اور کن کی کتابوں میں ہے، مجھ سے نہیں حضرت خواجہ حسن نظامی کی زبانی سنیے، وہ کیا فرماتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں:

«مولانا احمد رضا خاں صاحب جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کی ہم سب کو پیروی کرنی چاہیے، ان کے مخالف اعتراض کرتے ہیں، مولانا کی تحریروں میں سختی بہت ہے۔ وہ بہت جلد کفر کا فتویٰ دوسروں پر لگا دیتے ہیں، مگر شاید ان لوگوں نے مولانا اسماعیل دہلوی اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں، جن کو سال ہا سال صوفیاے کرام برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی سخت بد کلامی برتی گئی ہے، اس کے مقابلے میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعت صوفیا علمی حیثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن اور سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔»

(سہ ماہی افکارِ رضا، ممبئی، ٹائٹل اپریل تا جون، ۲۰۰۶ء)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ مسلمانوں کے بہت بڑے خیر خواہ اور ہمدرد تھے۔ جو ہمدرد ہوتا ہے اسے ہمدردی ہی کی فکر ہوتی ہے، اب اس ہمدردی کو کوئی کم عقل تشدد سمجھے تو اس کا کیا کیا جا سکتا ہے، بس اس کے حق میں عقل سلیم کی دعا کی جا سکتی ہے۔ بد مذہبوں سے میل جول، روابط و تعلقات کے بارے میں موصوف علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ اقتباس بڑا ہی پر مغز، فکر انگیز اور معنیٰ خیز ہے۔ امام موصوف لکھتے ہیں:

«مسلمانو! ذرا ادھر خدا اور رسول کی طرف متوجہ ہو کر ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو، اگر کچھ لوگ تمہارے ماں باپ کو رات دن بلا وجہ فحش مغلظہ گالیاں دینا اپنا شیوہ کر لیں، بلکہ اپنا دین ٹھہرا لیں، کیا تم ان سے بہ کشادہ پیشانی ملو گے؟ حاشا ہرگز نہیں، اگر تم میں نام کو غیرت باقی ہے، اگر تم میں انسانیت ہے، اگر تم اپنی ماں کو ماں سمجھتے ہو، اگر تم اپنے باپ سے پیدا ہو تو انھیں دیکھ کر تمہارے دل بھر جائیں گے، تمہاری آنکھوں میں خون اتر آئے گا، تم ان کی طرف نگاہ اٹھانا گوارا نہ کرو گے، للہ انصاف! صدیق اکبر و فاروق اعظم زائد یا تمہارے ماں باپ، ام المومنین عائشہ صدیقہ زائد یا تمہاری ماں، ہم صدیق و فاروق کے ادنیٰ غلام ہیں، اور الحمد للہ کہ ام المومنین کے بیٹے کہلاتے ہیں، ان کو گالیاں دینے والوں سے اگر یہ برتاؤ نہ برتیں، جو تم اپنی ماں بلکہ اپنے آپ کو گالیاں دینے والوں سے برتتے ہو تو ہم نہایت نمک حرام غلام اور حد بھر کے برے ناخلف بیٹے ہیں، ایمان کا تقاضا یہ ہے، آگے تم جانو، اور تمہارا کام۔ (الملفوظ، ص:۹۸، حصہ اول)

قارئین کرام! ان تمام تر تفصیلات و تحریرات کی روشنی میں آپ پر یہ بات عیاں ہو چکی ہوگی کہ امام احمد رضا محدث بریلوی بہت رحم دل، سنجیدہ، اور قوم مسلم کے بہت عظیم خیر خواہ تھے۔ اخلاقی خوبیوں سے خوب مالا مال تھے، وہ ہرگز متشدد نہ تھے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی مبارک پور کا ایک اقتباس پیش کر کے اپنا مضمون ختم کر رہا ہوں۔ مولانا موصوف لکھتے ہیں:

«امام احمد رضا اپنے آقا مدنی تاج دار صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے غلام اور پکے وفادار تھے۔ انھوں نے اپنے آقا کی سنتوں سے کبھی سر مو انحراف نہیں کیا۔ وہ کاروبارِ حیات سے لے کر محراب و منبر تک شریعت و طریقت کے پابند رہتے تھے۔ جس کی آنکھوں میں اخلاقِ نبوی کی تصویریں تیرتی ہوں وہ کبھی ترش رو نہیں ہو سکتا، جو نبی رحمت کی اداؤں کا داعی ہو، کبھی شدت پسند نہیں ہو سکتا۔ وہ سراپا انسانیت تھے، حقوقِ انسانی کی ادائیگی ان کا طرۂ امتیاز تھا، تواضع و انکساری ان کا وصفِ جمیل تھا۔ ان کی دل آویز زندگی کا مطالعہ کیجیے، محبت ہی محبت نظر آئے گی۔» (ماہ نامہ اشرفیہ، ص:۳، مارچ ۲۰۰۸ء) ☆☆

رضویات

امام احمد رضا کی شانِ بے نیازی

خطوط و فتاویٰ کے اجالے میں

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

آب و گل کی آمیزش ہوئی تو انسان پیدا ہوا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس انسان کا آغاز ایک قطرۂ آب ہے اور انجام ایک مشت خاک۔ اس آغاز و انجام کی کہانی پل بھر بھی ہو سکتی ہے، پہروں بھی چل سکتی ہے اور پیڑھی در پیڑھی بھی ختم نہیں ہو سکتی۔ ہاں! انسان اتنا ناتواں ہے، اتنا بے کراں ہے۔ شاعر کے تخیل نے کیا خوب تصویر اتاری ہے:

سمٹے تو اک مشت خاک ہے انساں
پھیلے تو کونین میں سما نہ سکے

وہ جس کی فکری توانائیوں سے ملت کی تعمیر ہوتی ہے۔ معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ تاریخ اسے ہر دور میں رجل عظیم، بطل جلیل، مصلح امت اور مفکر ملت بنا کر پیش کرتی رہتی ہے۔ وہ تو چلا گیا کہ اسے جانا ہی تھا۔ مگر اس کی فکر زندہ ہے۔ اصلاحی کوششیں تابندہ ہیں، دینی و علمی نگارشات درخشندہ ہیں۔

تاریخ گواہ ہے، نہ فرعون و نمرود رہا، نہ ہامان و شداد رہا، ہاں! اس کی حکایت تو ضرور موجود ہے۔ مگر کتنی عبرت ناک ہے، افسوس ناک ہے۔ کتنا بھولا ہے وہ، جس نے زندگی نذرِ آوارگی کر دی، یہ دانائی نہیں، نادانی ہے، حماقت ہے۔ یقیناً دانا ہے وہ، جس نے زندگی وقفِ بندگی کر دی، اس نے زندگی گنوائی نہیں، کمائی ہے۔ بگاڑی نہیں، بنائی ہے اور بے شک اسی زندگی کو تابندگی ملی ہے، درخشندگی ملی ہے۔

دور کی بات تو دور ہے، قریب آئیں، جھانک کر دیکھیں۔ امام اعظم پر لکھی گئی کتابوں کی تعداد ۱۱۴۰ ر ہے اور حنفیوں کی تعداد ۸۶ ر کروڑ سے زائد ہے۔[۱] امام ربانی مجدد الف ثانی پر ۳۶۰ ر کتابیں وجود میں آئیں[۲] یہ تعداد ۱۰۹۴ھ تک کی ہے۔ اب تو اور زیادہ ہوگی۔

امام احمد رضا پر ۲۶ ۷ ر کتب و مقالات تحریر کیے گئے۔[۳] یہ تو صرف اب تک کی بات ہے۔ جب کہ یہ سلسلہ زلف جاناں کی طرح دراز ہوتا چلا جا رہا ہے۔ بتایا جائے! یہ زندگی، تابندگی، درخشندگی نہیں، تو کیا ہے؟

یہ سوچنا محض بھول ہے کہ زندگی آنے جانے کا نام ہے۔ عیش و طرب کا نام ہے۔ حیات اور موت یہ دو کنارے ہیں۔ نہ زندگی سے فرار ممکن ہے، نہ موت سے مفر۔ یہ محسوس زندگی کی بات ہے، ورنہ زندگی سے پہلے کی زندگی اور موت کے بعد کی زندگی کی نوعیت جدا جدا ہے۔ زندگی میں زندگی سمائی ہوئی ہے۔ زندگی کبھی فنا نہیں ہوتی۔ انسان پر یہ بھید بتدریج آشکار ہوتا ہے۔[۴]

امام احمد رضا نے ریاست و امارت میں آنکھ کھولی۔ مگر عسرت و غربت میں زندگی گزاری۔ وہ عسرت و غربت نہیں، جو دست سوال دراز کرنے پر اکسائے۔ یہ تو صبر و استغنا اور زہد و قناعت سے عبارت ہے۔ ان کے مکتوب میں ایک جملہ یہ ہے۔ دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے[۵] کیسی بے لاگ تلقینِ صبر و شکر ہے۔ جس کا نمونہ صرف سلف صالحین ہی کی سیرت میں مل سکتا ہے۔ ایک صاحب کو حضوری و باریابی حاصل تھی۔ نواب نانپارہ کی شان میں قصیدہ لکھنے کی گذارش کی۔ ذات کے خان پٹھان تو تھے ہی۔ غیرت خاندانی اور جلالِ ایمانی طیش میں آیا، قلم اٹھایا، لکھا تو یہ لکھا:

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں[۶]

ghulamjabir@yahoo.com

نواب رام پور نینی تال جا رہے تھے۔ بریلی اسٹیشن آیا، تو نواب کی اسپیشل ٹرین رک گئی۔ نواب کے مدار المہام (وزیر اعظم) اور سید مہدی حسن میاں نے اپنے نام سے ڈیڑھ ہزار روپے کی نذر لے کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ غالباً بعد ظہر کا وقت تھا۔ آپ قیلولہ (دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر لیٹنے کو کہتے ہیں) فرما رہے تھے۔ خبر ہوئی۔ چوکھٹ تک آئے۔ پوچھا، کیا ہے؟ عرض کیا گیا: یہ ڈیڑھ ہزار نذر ہے اور واپسی کے وقت نواب ملاقات کے خواستگار ہیں۔ کھڑے کھڑے یہ کھرا جواب دیا: یہ ڈیڑھ ہزار (اس وقت کا ڈیڑھ ہزار، آج کا ڈیڑھ لاکھ) کیا، کتنا بھی ہو۔ واپس لے جایئے اور نواب سے کہہ دیجئے کہ فقیر کا مکان اس قابل کہاں کہ ان کو بلا سکوں اور نہ میں والیان ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔ (۷)

کھڑے کھڑا ایسا کھرا جواب بظاہر بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ مگر یہی شانِ فقیری ہے۔ یہی شان درویشی ہے۔ جو حکمرانِ وقت کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ جس کی مثال بزرگانِ کاملین کی حیات و کردار میں ملتی ہے۔

نواب حیدر آباد کا واقعہ مولانا سیف الاسلام دہلوی کی زبانی سنیے:

«میں نے سوداگری محلہ کے کئی بزرگوں سے سنا کہ نظام حیدر آباد نے کئی بار لکھا کہ حضور کبھی میرے یہاں تشریف لا کر ممنون فرمائیں یا مجھے ہی نیاز کا موقع عنایت فرمائیں۔ تو آپ نے جواب دیا۔ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا عنایت فرمایا ہوا وقت صرف اسی کی اطاعت کے لیے ہے۔ میں آپ کی آؤ بھگت کا وقت کہاں سے لاؤں۔» (۸)

یہی مولانا سیف الاسلام دہلوی بیان کرتے ہیں :

«نواب حامد علی خاں مرحوم کے متعلق معلوم ہوا کہ کئی بار انہوں نے اعلیٰ حضرت کو لکھا کہ حضور رام پور تشریف لائیں۔ تو میں بہت ہی خوش ہوں گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو، تو مجھے ہی زیارت کا موقع دیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ آپ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مخالف شیعوں کے طرفدار اور ان کی تعزیہ داری اور ماتم وغیرہ کی بدعات میں معاون ہیں۔ لہٰذا میں نہ آپ کو دیکھنا جائز سمجھتا ہوں، نہ اپنی صورت دکھانا ہی پسند کرتا ہوں۔» (۹)

یہ تو نوابوں، راجاؤں کی بات تھی۔ اخص الخواص دین دار دوستوں کی نذر بھی امام احمد رضا نے قبول نہیں کی یا کبھی قبول کی، تو حیلے بہانے سے اس سے زائد لوٹا دی۔ سفر عظیم آباد، پٹنہ کے دوران قاضی عبد الوحید فردوسی کے خسر صاحب نے آراستہ طشت میں کچھ تحفے اور نذر پیش کی، تو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ میزبان نے کہا : حضور ساٹھ (۶۰) روپے ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا: ساٹھ ہزار بھی ہوں، تو فقیر اللہ کے کرم سے بے نیاز ہے۔ (۱۰)

۱۳۳۷ھ میں امام احمد رضا جبل پور تشریف لے گئے۔ قریب ایک ماہ چار دن قیام فرمایا۔ میزبان مولانا شاہ عبد السلام رضوی نے ایک ہزار روپے ہدیہ کیے۔ قبول تو کر لیے مگر اس سے کئی گناہ زائد نقد اور طلائی زیورات میزبان اور ان کے بچوں، بچیوں کو پیش کر دیے۔ (۱۱) سفر بیسل پور کے دوران جو ان کو نذرانے ملے، وہ انہوں نے نعت خوانوں، ثناخوانوں میں تقسیم کر دیے۔ (۱۲)

پھل اپنے درخت سے پہچانا جاتا ہے۔ امام احمد رضا کے بڑے صاحب زادے مولانا حامد رضا خان تھے۔ نظام حیدر آباد، دکن نے ان کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی۔ منصب قاضی القضاۃ، چیف جسٹس کا عہدہ پیش کیا۔ ہر طرح اصرار کیا۔ ہر طرح لالچ دیا۔ تو مولانا موصوف نے یہ جواب دے کر نظام حیدر آباد کو مایوس کر دیا۔ فرمایا: میں جس دروازۂ خدائے کریم کا فقیر ہوں، میرے لئے وہی کافی ہے۔ (۱۳)

مولانا محمد ابراہیم رضا خان، مولانا حامد رضا کے بیٹے تھے اور امام احمد رضا کے پوتے۔ قرب و جوار کے دیہات میں اور دور دراز کے شہروں میں ابراہیم رضا خان دینی اجتماعات اپنے خرچے سے منعقد کرایا کرتے تھے۔ (۱۴) وہ مدرسہ منظر اسلام کے مہتمم بھی تھے بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ انہوں نے گھر کا اثاثہ اور زیورات بیچ کر مدرسہ کے مصارف میں لگا دیے۔ (۱۵)

یہ تو سیرت نگاروں کی زبان ہے۔ اب خود صاحب سیرت کی زبانی سنیے :

مولانا شاہ سید حمید الرحمن رضوی نواکھالی، بنگلہ دیش کے مشہور عالم دین تھے اور امام احمد رضا کے تلمیذ و عقیدت کیش۔ انہوں نے یکم ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کو جواب مسائل کے لیے ایک مکتوب لکھا۔ تو یہ بھی لکھا: ایک روپیہ بطور استاذی خدمت کے روانہ

کیا جاتا ہے۔ (۱۶)

جواب میں لکھتے ہیں: جواب مسئلہ حاضر ہے۔ الحمد للہ کہ آپ کا روپیہ نہ آیا اور آتا، اگر لاکھ روپے بھی ہوتے، تو بعونہٖ تعالیٰ واپس کیے جاتے۔ یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ رشوت لی جاتی ہے، نہ فتویٰ پر اجرت۔ (۱۷)

کلکتہ سے حاجی نادر علی صاحب نے استفتا کیا، اس میں ایک جملہ یہ تھا: خرچ وغیرہ کے لیے تو غلام خدمت کے لیے حاضر ہے۔ (۱۸)

جواب ارقام فرماتے ہیں: یہاں فتوی پر کوئی خرچ نہیں لیا جاتا، نہ اس کو اپنے حق میں روا رکھا جاتا ہے۔ (۱۹)

ریاست بہاول پور سے مولانا عبد الرحیم خانقاہی کے اس جملہ: اجرت جواب آنے پر دی جائے گی۔ (۲۰) اس پر آپ کا جواب قلم بند کرتے ہیں: یہاں فتویٰ پر کوئی اجرت نہیں لی جاتی، نہ پہلے، نہ بعد، نہ اپنے لیے اسے روا رکھا جاتا ہے۔ (۲۱)

گوجر خان، راولپنڈی سے محمد جی صاحب نے کئی بار خطوط لکھ کر جواب مسائل حاصل کیے ہیں۔ ہر بار انہوں نے اجرت و قیمت کی بات کی ہے۔ قلم کا تیور دیکھیے۔ لکھتے ہیں : قیمت کاغذ کی نسبت پہلے آپ کو لکھ دیا گیا کہ یہاں فتویٰ اللہ کے لیے دیا جاتا ہے، بیچا نہیں جاتا۔ آئندہ کبھی یہ لفظ نہ لکھیے۔ (۲۲)

بریلی کے قریب تلہر، شاہ جہاں پور سے مولانا عبد الغفار خان نے ایک مسئلہ دریافت کیا، تو فرماتے ہیں: یہ فقیر بفضلہٖ تعالیٰ غنی ہے، اموال خیرات نہیں لے سکتا۔ (۲۳) مولانا محرم علی چشتی صدر انجمن نعمانیہ لاہور سے مخاطب ہو کر تحریر فرماتے ہیں : اپنے سے زیادہ جسے پایا، اگر دنیا کے مال ومنال میں زیادہ ہے۔ (تو) قلب نے اندر سے اسے حقیر جانا۔ (۲۴)

ریاست پٹیالہ کے شیخ شیر محمد صاحب کے جواب میں یوں رقم طراز ہیں :

یہاں بحمدہٖ تعالیٰ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ بفضلہٖ تعالیٰ تمام ہندوستان و دیگر ممالک مثل چین و افریقہ و امریکہ وخود عرب شریف و عراق سے استفتا آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہو جاتے ہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ! حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے ۹۱ / برس اور خود اس فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے ۵۱ / برس ہونے آئے۔ یعنی اس صفر کی ۱۴ / تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے گزرے۔ اس نو کم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے۔ بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاوے کے ہیں۔ بحمد اللہ! یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا، نہ لیا جائے گا۔ بعونہ تعالیٰ ولہ الحمد۔ معلوم نہیں، کون لوگ ایسے پست فطرت و دنی ہمت ہیں۔ جنہوں نے یہ صیغہ کسب (آمدنی کا طریقہ) کا اختیار کر رکھا ہے۔ جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمانان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ بھائیو! ماأسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین۔ (۲۵) میں اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے۔ (۲۶)

علمی نگارشات میں دینی خدمات میں امام احمد رضا کا ہر پل مصروف تھا۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے:

جو صاحب چاہیں اور جتنے دن چاہیں، فقیر کے یہاں اقامت فرمائیں۔ مہینہ دو مہینہ، سال دو سال اور فقیر کا جو منٹ خالی دیکھیں یا جس وقت فقیر کو کوئی ذاتی کام کرتے دیکھیں، اسی وقت مواخذہ فرمائیں کہ تو اتنی دیر میں دوسرا کام کر سکتا تھا۔ (۲۷)

خود تو حبِ دنیا سے آزاد تھے ہی، اپنی اولاد، اپنے تلامذہ، مریدین، خلفا، احباب اور احناف علما کو اسی کی سخت تاکید و تلقین کرتے تھے۔ ایک ضروری ہدایت نامہ کا یہ حصہ دیکھیں :

یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ کبھی خدمت دینی کو کسب معیشت کا ذریعہ بنایا گیا، نہ احناف علمائے شریعت یا برادرانِ طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی، بلکہ تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار، اشاعت وحمایت سنت میں جلب منفعت مالی کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ (۲۸)

یہ تو نثر ہوئی، شاعری میں بھی سن لیجیے:

کانٹا میرے جگر سے غم روزگار کا
یوں کھینچ لیجیے کہ جگر کو خبر نہ ہو (۲۹)

ان جزئیات سے امام احمد رضا کا جو چہرہ سامنے آتا ہے، وہ یہ کہ ان کے نزدیک دنیا غلیظ ہے، فاحشہ ہے۔ (۳۰) دنیا سے محبت کا مطلب غلاظت و فواحشات کو منہ لگاتا ہے۔ جو دین و دانش کے قطعاً خلاف ہے۔ تم خدا کے آگے جھکو، دنیا تمہارے آگے خود بہ خود جھک

جائے گی۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب (۳۱)

اس لیے امام احمد رضا نے فقیری میں امیری کی، امیری میں فقیری نہیں، دورویشی میں رئیسی کی، رئیسی میں دورویشی نہیں۔ فقیری و درویشی وہ نہیں، جو شاہوں، نوابوں اور دین بیزار، دنیا پرست مالداروں، ساہوکاروں کی دریوزہ گری کرے۔ بلکہ عزت فقیری اور غیرت درویشی یہ ہے، جس کی دہلیز پر وہ خود بخت خفتہ لے کر سر کے بل آئے اور بیدار بخت ہوکر جائے۔ یہ ہے امام احمد رضا کی شانِ بے نیازی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی آخرت سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

----حوالہ و حواشی----

(۱) جہانِ امام ربانی، امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی ۲۰۰۵ء۔ ۲۴۸/۲

نوٹ: شافعیوں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ، مالکیوں کی تعداد چار کروڑ اور حنبلیوں کی تعداد چالیس لاکھ ہے۔ یہ ایک عرب محقق کا سروے ہے۔ جو انہوں نے چند سال قبل کیا تھا۔ (نفس مصدر)

(۲) جہان امام ربانی، امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی ۲۰۰۵ء ۲۴۸/۲

(۳) جہان امام ربانی، امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی ۲۰۰۵ء ۸۵/۱

(۴) محمد عیسی رضوی، مولانا قرطاس وقلم ایڈوانس پرنٹنگ وپبلیشنگ، دہلی ۲۰۰۶ء ص: ۱۳

(۵) غلام جابر شمس پرواز خیال ادارہ مسعودیہ، لاہور ۲۰۰۵ء، ص: ۱۳

(۶) محمد ظفر الدین، حیات اعلیٰ حضرت، قادری کتاب گھر، بریلی، ۳۰۸/۱

(۷) احمد رضا خان، امام حدائق بخشش ، رضا اکیڈمی، بمبئی ۶۷/۱

(۸) محمد ظفر الدین، حیات اعلیٰ حضرت، قادری کتاب گھر، بریلی ۹۲/۱

(۹) عبد الحکیم اختر، مولانا، سیرت امام احمد رضا، پروگریسیو بکس، لاہور ۱۹۹۵ء ص: ۵۳

(۱۰) ایضاً، ص: ۵۴

(۱۱) ماہنامہ معارف رضا، کراچی شمارہ اپریل ۲۰۰۲ء، ص: ۱۶

(۱۲) محمد ظفر الدین، حیات اعلیٰ حضرت، قادری کتاب گھر، بریلی ۵۶/۱، ۵۷

(۱۳) ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رام پور، ۲۹ مارچ ۱۹۲۰ء

(۱۴) عبد الحکیم اختر، سیرت امام احمد رضا ،۱۹۹۵ء، ص: ۵۳

(۱۵) عبد الواجد قادری، حیات مفسر اعظم، القرآن اسلامک فاؤنڈیشن ،نیدرلینڈ ۲۰۰۳ء، ص: ۸۹

(۱۶) ایضاً: ص: ۷۹

(۱۷) احمد رضا خان، امام، فتاوی رضویہ، رضا اکیڈمی، بمبئی ۱۹۹۴ء، ۵۷۴/۹

(۱۸) (الف) ایضاً: ۵۷۵/۹۔ (ب) غلام جابر شمس، کلیات مکاتیب رضا، مکتبہ نبویہ، مکتبہ بحر العلوم، لاہور ۲۰۰۵ء، ص: ۲۲۰

(۱۹) احمد رضا خان، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۷ء ۶۶۰/۱۱

(۲۰) احمد رضا خان، فتاوی رضویہ، رضا اکیڈمی، بمبئی ۱۹۹۴ء، ۱۷۱/۶

(۲۱) احمد رضا خان ، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا اکیڈمی، بمبئی ۱۹۹۷ء ۱۷۱/۶

(۲۲) احمد رضا خان، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۷ء ۲۵۴/۱۱

(۲۳) احمد رضا خان، امام، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور ۲۰۰۱ء ۵۰۴/۲۰

(۲۴) احمد رضا خان ، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا اکیڈمی بمبئی ۱۹۹۷ء ۱۲۳/۱۲

(۲۵) القرآن ۱۲۷/۲۶

(۲۶) الف، احمد رضا خان، امام فتاوی رضویہ، رضا اکیڈمی، بمبئی ۱۹۹۴ء، ۲۳۰/۳ / ب، احمد رضا خان، فتاوی رضویہ مع تخریج وترجمہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۴ء ۵۶۲/۶

(۲۷) غلام جابر ڈاکٹر، کلیات مکاتیب رضا، مکتبہ بحر العلوم ،لاہور ۲۰۰۵ء ۲۸۵/۲، ۳۸۶

(۲۸) الف، ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شمارہ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ ب، کلیات مکاتیب رضا، ۳۳۶/۲، ۳۳۷ ج، امام احمد رضا اور تصوف از علامہ محمد احمد مصباحی مجمع الاسلامی مبارک پور ۱۹۸۸ء، ص ۸۰، ۸۱

(۲۹) احمد رضا خان، امام، حدائق بخشش، رضا اکیڈمی، بمبئی ۸۱/۱

(۳۰) محمود احمد قادری، مولانا، مکتوبات امام احمد رضا، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، بمبئی ،۱۹۹۰ء ص ۱۹۶

(۳۱) محمد مصطفی رضا مولانا، الملفوظ، قادری کتاب گھر، بریلی ۲۱/۳

(۳۲) القرآن، ۲/۶۰

(۳۳) القرآن ۳/۶۰

☆☆☆☆☆

حیات اعلیٰ حضرت

فنِ سوانح نگاری کے آئینے میں

صفدر امام قادری

سوانح نگاری ظاہر میں مشکل کام نہیں ہے کیوں کہ کسی شخصیت کے بارے میں سلسلے وار طریقے سے حالات اور واقعات کو جمع کردینا کیوں مشکل کام مانا جائے۔ آسانی کی ایک صورت اس معاملے میں اور پیدا ہوجاتی ہے جب سوانح نگار صاحب سوانح کے عہد کا ہوتا ہے اور اس کے تعلقات اور روابط بھی قائم رہتے ہیں۔ جسے آپ نے خود دیکھا اور سمجھا ہے یا جس کی شخصیت کے تار و پود سے سوانح نگار ایک قربت کے ساتھ آشنا ہے اور صاحبِ سوانح کی زندگی کے نشیب وفراز کے ہزاروں واقعات اس کے آنکھوں دیکھے ہیں، اس کے بارے میں کیوں لکھنا محال ہو؟

مولانا ظفر الدین بہاری کی کتاب «حیاتِ اعلیٰ حضرت» کو سوانح نگاری کے مذکورہ زمرے میں رکھنے کے باوجود مختلف طرح کی آسانیوں کے مقابلے سوانح نگار کی مشکلات کا بھی اندازہ کرنا چاہیے۔ اگر صاحبِ سوانح اور سوانح نگار کے بیچ براہِ راست ربط نہیں اور سوانح نگار نے مختلف ذرائع سے تحقیق کرکے حیات وخدمات کے سلسلے سے مواد جمع کرلیا ہے تو سوانح نگار کے لیے قطع وبرید کا مرحلہ آسان ہوجاتا ہے۔ کن واقعات کو شاملِ کتاب کرنا ہے اور کن واقعات کو سوانح میں جگہ نہیں دینی ہے، اس کا فیصلہ آسان ہوتا ہے۔ لیکن جیسے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ سوانح کی حیات کے ایک بڑے حصے سے سوانح نگار بالمشافہ واقف ہے، اور مجلسی، غیر مجلسی، علمی اور نجی زندگی میں سوانح نگار ہزاروں موڑ پر صاحبِ سوانح کے ساتھ موجود ہے؛ ایسے میں سوانح نگار کے لیے سب سے بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ وہ کس طرح ہزاروں اور لاکھوں معلوم باتوں یا واقعات کو ترتیب وانتخاب کے مرحلے سے گزار کر آخری شکل عطا کرے۔ جس سے اس کی سوانح واقعات کی کھتونی نہیں معلوم ہو۔

اسی کے ساتھ سوانح نگار کے لیے ایک اور مشکل مرحلہ ہوتا ہے اگر صاحب سوانح سے تعلق کی نوعیت عقیدت اور عقیدے سے ہے تو امتحان کی دوسری منزل سے گزرنا ہوگا۔ سوانح نگاری اگر ایک علمی کام ہے تو عقیدت کی رہنمائی میں واقعات اور حالات کی پیش کش میں یہ خدشہ شامل رہے گا کہ اہم اور غیر اہم کی تمیز جاتی رہے۔ نگاہِ عشق و مستی میں صاحبِ سوانح کا ہر ذرہ سوانح نگار کے لیے ستارہ معلوم ہوگا۔ صاحبِ سوانح کی کوئی بھی بات اس کے لیے چشم عقیدت میں غیر اہم کیوں کر ہوگی۔ اسی کے ساتھ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اس سچائی سے کیسے انکار کیا جائے کہ سوانح بالعموم اسی کی لکھی جاتی ہے جس کی عظمت اور بلندی اظہر من الشمس ہو۔ اسی لیے سوانح نگاروں پر بے جا مداحی اور کبھی کبھی مدلل مداحی کے الزامات عائد ہوتے ہیں۔ کبھی کتبِ سوانح کو واقعات کی کھتونی کہہ کر بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔

مولانا ظفر الدین بہاری نے اعلیٰ حضرت کی حیات اور خدمات کو قلم بند کرنا شروع کیا ہوگا تو واقعتاً مذکورہ مسائل ان کے پیشِ نظر ہوں گے۔ اردو کی حد تک غور کریں تو ان کے پیشِ نظر شبلی اور حالی کی سوانح عمریاں ضرور رہی ہوں گی۔ «حیاتِ جاوید» کے حوالہ جات اس سوانح میں موجود ہیں، اس لیے کم از کم اس بات کا یقین ہے کہ مولانا ظفر الدین بہاری نے حیات اعلیٰ حضرت لکھنے سے پہلے «حیات جاوید» کے مشمولات پر غور کرلیا ہوگا۔ حالی، سرسید کو براہِ راست جانتے تھے اور ان کی زندگی اور کام سے ان کو عقیدت تھی۔ وہ سرسید کے شریکِ کار بھی تھے۔ مزید یہ کہ ان کا ذہن تحقیقی بھی تھا۔ اس کے علاوہ سرسید کے دوستوں اور دشمنوں

صدر شعبۂ اردو، کالج آف کامرس، پٹنہ

دونوں کی سرسید کی تحریروں کے سلسلے کی تحریروں سے وہ لفظ بہ لفظ واقف تھے۔

مولانا ظفرالدین بہاری کا معاملہ بھی یہی ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت سے بالمشافہ واقف ہیں۔ان سے مولانا ظفرالدین بہاری کا رشتۂ تلمیذ بھی ہے جو برسوں تک قائم رہا اور بعد میں رفاقت میں تبدیل ہوا۔اعلیٰ حضرت سے انھیں صرف عقیدت نہیں بلکہ مولانا ظفرالدین بہاری تو یہ چاہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے عقیدے کو تمام لوگ تسلیم کرلیں۔مولانا ظفرالدین بہاری کو یہ فائدہ بھی حاصل ہے کہ وہ صرف اعلیٰ حضرت کی زندگی اور کارناموں سے براہِ راست واقف نہیں بلکہ ان کے احباب، ہم عصر، دیگر شاگردان اور ہزاروں عقیدت مندوں کی تحریروں یا بیان کردہ واقعات سے بھی واقف ہیں۔اسی لیے اعلیٰ حضرت کا سوانح نگار کسے ہونا چاہیے؟ اس سوال پر گفتگو کرتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مولانا ظفرالدین بہاری نے یہ درست فیصلہ کیا کہ وہ یہ بڑی ذمہ داری اپنے سر لیں۔«یادگارِ غالب» اور «حیات جاوید»، حالی کو ہی لکھنی چاہیے تھی اور «حیاتِ شبلی» سید سلیمان ندوی کے حصے میں ہی آنی چاہیے تھی۔ یہاں لازم وملزوم والی بات ہو جاتی ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ اعلیٰ حضرت کی حیات وخدمات کو سوانح نگاری کے اصولوں کے ساتھ برتنے کا مولانا ظفرالدین بہاری کا یہ فیصلہ مناسب ترین فیصلہ ہے اور اس کام کے لیے وہ سب سے زیادہ لائق افراد میں سے تھے۔

سوانح نگاری کو بعض افراد دو دھاری تلوار کہتے ہیں۔۹۹ رفی صد یہ سچائی ہے کہ صاحبِ سوانح سے جب تک عقیدت نہیں ہوگی، اس وقت تک یہ کیسے سوچا جاسکتا ہے کہ کوئی شخص اس موضوع پر سو دوسو اور ہزار صفحات دل لگا کر قلم بند کرے گا۔اس لیے یہ مان کر چلنا چاہیے کہ سوانح نگار چشمِ عقیدت کے ساتھ ہی صاحبِ سوانح کی زندگی اور کارناموں کو ملاحظہ کرے گا لیکن اسی کے ساتھ سوانح نگاری کا یہ اصول ہے کہ حالات اور واقعات کی پیش کش میں ایک معروضی نقطۂ نظر ہونا چاہیے۔عقیدت میں سوانح نگار کو آنکھیں بند کر کے نہیں چلنا ہے۔پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جو واقعہ قلم بند کیا جائے، اس کے لیے دلیل اور حقائق بھی پیش کیے جائیں۔واقعات کے اہم اور غیر اہم ہونے کی تمیز بھی سوانح نگار کے لیے بھاری پتھر ہے کیوں کہ پڑھنے والوں کے لیے یہ لازم نہیں کہ وہ آپ کے ہم خیال ہوں یا صاحبِ سوانح سے عقیدت رکھتے ہوں۔ایک بڑا طبقہ اس لیے سوانح کا مطالعہ کرتا ہے کہ اسے معلوم ہو سکے کہ اپنے عہد کی بڑی شخصیات کی زندگی کے پوشیدہ پہلوؤں میں کون سی ایسی بات ہے جس پر روشنی نہیں پڑی ہے اور جسے جان کر معلومات میں اضافہ ہو سکتا ہے۔عظیم شخصیات کی زندگی کے طلسم کو بھی وہ سمجھنا چاہتے ہیں لیکن لازمی طور پر عقیدت کی رہنمائی کے بغیر۔

«حیاتِ اعلیٰ حضرت» کے صفحات پر غور کرتے ہوئے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ مولانا ظفرالدین بہاری نے اس سوانح کو مستند، کارآمد اور علمی اعتبار سے گراں مایہ بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔واقعات اور خدمات کی پیش کش میں انھوں نے بات کو سمیٹنے میں زیادہ مہارت دکھائی اور پھیلانے سے اکثر مقامات پر گریز کیا جس کی وجہ سے اس سوانح کو کوئی واقعات کی کھتونی نہیں کہہ سکتا۔معروضیت اور بیان میں احتیاط پسندی نے اس سوانح کو علمی اعتبار سے مزید محترم بنا دیا ہے۔

«حیاتِ اعلیٰ حضرت» کی مختلف جلدوں کی طباعت کا معاملہ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ بعض تنازعات یا کوتاہیوں کے احوال اپنے بطن میں رکھتا ہے۔ان مراحل کی تفصیل اور متنِ اوّل کے سلسلے سے گفتگو سے صرفِ نظر کرتے ہوئے میں «حیاتِ اعلیٰ حضرت» کی الجامعۃ الرضویہ، پٹنہ کے اہتمام میں مفتی محمد مطیع الرحمٰن کی ترتیب دادہ تین جلدوں میں شائع شدہ متن پر ہی خود کو مرکوز رکھتا ہوں۔تین جلدوں پر مشتمل اس کتاب کی جلد اوّل ہی اصل میں سوانح کے زمرے میں آتی ہے۔جلد دوم اور سوم کا تعلق افادات اور انتخاب وتعارف وتصنیف سے ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں برِ صغیر کی مذہبی، علمی اور ادبی افق پر جن اصحاب کو ہم درخشندہ ستارے کے طور پر پیش کرسکتے ہیں، ان میں اعلیٰ حضرت کی اہمیت مسلم ہے۔وہ زمانہ مدارسِ اسلامیہ کے تعلیمی وزن ووقار کے عروج کا ہے۔شبلی نعمانی، ابوالکلام آزاد، اعلیٰ حضرت، سید سلیمان ندوی وغیرہ کی مثالیں بہ یک نظر سامنے آتی ہیں جن کی علمی شخصیت کو اختلافِ مسلک وملّت کے بغیر ہر کس وناکس نے تسلیم کیا۔مذکورہ چاروں اصحاب کی زندگی کا سفر عمومی ارتقا کے اعتبار سے حیرت انگیز ہے۔یہ

سب لوگ بیس برس کی عمر میں قومی منظرنامے پر اپنی شناخت قائم کر چکے تھے اور تیس برس تک پہنچتے پہنچتے استاذ الاساتذہ کی طرح سے زمانہ انھیں قبول کرنے لگا تھا۔

مولانا ظفرالدین بہاری نے اعلیٰ حضرت کی حیات کو پیش کرنے میں سوانح نگاری کے عام اصولوں کو تو سامنے رکھا اور کوشش کی کہ واقعات سلسلے وار طریقے سے شاملِ کتاب ہو سکیں لیکن صاحبِ سوانح کی زندگی کے اس حیرت انگیز پہلو پر بھی نظر رکھی جہاں حصولِ علم کا عمومی سلسلہ قائم نہیں رہتا: یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے۔

سوانح نگاری کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ صاحب سوانح کی زندگی کے انجانے پہلوؤں کی طرف بھی اشارے کیے جائیں۔یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سوانح پڑھتے ہوئے کسی نئے قاری کو بعض پوشیدہ اور اہمیت کے اعتبار سے انوکھے واقعات معلوم ہوجاتے ہیں۔اعلیٰ حضرت کی حیات وخدمات پر مواد کی کمی نہیں۔تحریر کے علاوہ عقیدت مندوں نے زبانی روایت کا ایک ٹھوس سلسلہ قائم کر رکھا ہے جس کی وجہ سے اعلیٰ حضرت پہلے سے ہی ہماری زندگی میں چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے دکھائی دیتے ہیں۔اس کے باوجود مولانا محمد ظفرالدین بہاری کی اس کتاب میں اعلیٰ حضرت کی زندگی کے کئی ایسے پہلوؤں پر نگاہ چلی جاتی ہے جو عام طور پر ذکر میں نہیں آتے ہیں۔اس سوانح کے ۱۸، ۱۹ اور ۲۰ نمبر کے ابواب میں اعلیٰ حضرت میں جس حسِ مزاح کو اجاگر کیا گیا ہے، وہ نہ عام بات تھی اور نہ ہی ان کی مذہبی اور علمی خدمات کے تناظر میں دوسرے اس موضوع پر توجہ دے سکتے تھے۔لیکن ظفرالدین بہاری نے ان پہلوؤں کو درج کرکے اعلیٰ حضرت کی شخصیت کے الگ اور انوکھے پہلو کی پیش کش میں کامیابی پائی ہے۔

اس سوانح میں اعلیٰ حضرت کے علمی اور روحانی کمالات کے بیان کے مرحلے میں ارضی پہلوؤں پر بھرپور توجہ دی گئی ہے۔عام طور پر عقیدت مندوں کے ذریعہ لکھی گئیں کتابوں میں ایسا توازن دیکھنے کو نہیں ملتا۔یہ صحیح ہے کہ بڑی شخصیات میں حیرت انگیز صفات موجود رہیں گی اور سوانح نگار کو عقیدت ہو یا نہ ہو لیکن اس حقیقت کی پیش کش سے آزادی نہیں مل سکتی۔لیکن اسی کے ساتھ سوانح نگار کا یہ فریضہ ہے کہ صاحب سوانح کے ان عام انسانی اور ارضی پہلوؤں کی طرف توجہ مبذول کرائے جن کے بغیر صاحبِ سوانح ہی نہیں، کسی بھی انسان کی زندگی مکمل نہیں ہو سکتی۔دنیا کی عظیم شخصیات کی سوانح عمریوں کو ہم اس لیے بھی پڑھتے ہیں تاکہ یہ دیکھ سکیں کہ ہمارے بیچ کے لوگ عام حالات اور صورتِ حال کے باوجود کیسے کیسے عظیم کام کر چکے ہیں۔اس کا افادی پہلو یہ بھی ہے کہ ہمیں ترغیب ملتی ہے کہ اپنی زندگی میں نئے خواب اور تمنائیں سجا سکیں۔مولانا ظفرالدین بہاری نے اعلیٰ حضرت کی سوانح لکھتے ہوئے ہر قدم پر اس بات کا خیال رکھا کہ اعلیٰ حضرت کی زندگی ایک ڈھلی ڈھلائی شکل میں ہمارے سامنے نہیں آئے بلکہ انھوں نے عمومی حالات میں ہی رہ کر اپنے وقت کا بہترین مصرف لیتے ہوئے وہ کارنامہ انجام دیا جو ہمارے لیے باعثِ ترغیب اور تقلید ہے۔

اس سوانح کا آخری باب «اسفار» کے عنوان سے شامل ہے، نہایت اختصار کے ساتھ سفر کے احوال بیان کرنے سے پہلے ماحول یا پیش بندی کی غرض سے ابتدا میں تین صفحات رقم کیے گئے ہیں۔اس کے بعد سلسلے وار طریقے سے اعلیٰ حضرت کے درجنوں قریب اور دور کے اسفار کے خاص واقعات قلم بند کیے گئے ہیں۔محمد حسین آزاد نے «آبِ حیات» کے ہر دور میں شعرا کے حالات لکھنے سے قبل نہایت اختصار کے ساتھ پیش بندی کی غرض سے تمہیدیں لکھی ہیں۔ان کی طوالت ایک صفحے سے ڈھائی صفحے کے درمیان ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سو صفحے میں جن شعرا کی تفصیلات رقم کی گئی ہیں، ان کی روح تمہید کے چند لفظوں میں اتر آئی ہے۔اسی طرح مولانا ظفرالدین نے اس باب میں ان تین صفحوں میں وہ تمام اصول پیش کر دیے ہیں جن کی تفصیل کے لیے آگے واقعات پیش کیے گئے ہیں۔اس تمہید میں یہ بتایا گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو سفر سے کوفت ہوتی تھی اور اسی لیے شاید وہ کم سے کم اس کا قصد کرتے تھے۔یہاں ایک اور بات سامنے آتی ہے کہ اعلاحضرت کی تحقیق یہ تھی کہ چلتی ہوئی ٹرین میں نماز درست نہیں۔یہ بھی درج ہے کہ اعلاحضرت باجماعت نماز ادا کرنا نہایت ضروری خیال کرتے تھے۔ایسی حالت میں اعلاحضرت کو جب بالعموم دینی ضرورتوں کے تحت طویل سفر کرنا پڑتا تو اس کے مسائل کیا ہوں گے، اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔چلتی ہوئی ٹرین میں نماز درست نہیں اور نمازِ باجماعت پڑھنا ضروری ہے۔اس کشمکش اور اس سے

نجات کی ایک مختصر جھلک مولانا ظفر الدین کی زبان سے ملاحظہ کریں:

«قبل روانگی جس گاڑی سے سفر کرنا ہوتا، اور جس سے واپسی کا قصد ہوتا، پانچوں نمازوں کا وقت جس اسٹیشن پر ہوتا، اور جس جس اسٹیشن تک رہتا، ان جگہوں پر نشانِ اوقات دے دیا جاتا، اور وقتوں کے نام لکھ دیے جاتے۔ اس لیے ضروری تھا کہ ٹائم ٹیبل منگوا کر گاڑیوں کے رکنے کے اوقات ومقامات معلوم کیے جاتے۔ پھر بہ قواعد علم ہیئت ان جگہوں کا طول وعرض معلوم کر کے اوقات صلوٰۃ نکالے جاتے۔ جب اس طرح پورا اطمینان ہو جاتا کہ اس سفر میں سب نمازیں با جماعت وقت پر ادا ہو سکیں گی، تب قصد مصمم فرماتے، اور وعدہ کرتے اور اسی مقررہ نقشہ کے مطابق ایک دو اسٹیشن پہلے سے وضو وغیرہ کر کے سب تیار رہتے، اور جب وہ اسٹیشن آتا، جہاں نماز کا وقت لکھا ہے، جماعت کھڑی ہو جاتی۔»

مولاناؒ نے لکھا ہے کہ اگر نماز کے وقت سے گاڑی کے ٹھہراو کا وقت متصادم ہوتا تو اعلیٰ حضرت گاڑی چھوڑ دیتے اور اسٹیشن پر با جماعت نماز پڑھتے اور نماز کے بعد جو گاڑی ملتی، اس سے سفر پورا کرتے۔ نمازِ با جماعت دورانِ سفر ادا کرنے کا ایک واقعہ سوانح نگار نے اعلیٰ حضرت کے آخری سفرِ حج کے موقعے سے لکھا ہے۔ اس زمانے میں بریلی شریف سے آگرہ میں گاڑی بدلنے اور آگے بمبئی کی طرف روانہ ہونے کے مرحلے میں نمازِ فجر کی ادائیگی میں دشواری ہو رہی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے اس زمانے میں دو سو پینتیس روپے تیرہ آنے میں ریل کے سکنڈ کلاس کا ایک ڈبہ ریزرو (reserve) کرایا جو سیدھے بمبئی والی گاڑی میں جوڑ دیا جاتا تھا اور اس دوران فجر کی نماز کی با جماعت ادائیگی میں کوئی خلل نہیں پہنچتا تھا۔ مولانا ظفر الدین بہاری نے لکھا ہے: ''اس قدر کثیر رقم صرف کر کے صرف نمازِ فجر با جماعت ادا کرنے کے لیے سکنڈ کلاس کا ایک ڈبہ بریلی شریف سے بمبئی (reserve) کر کے سفر اختیار فرمایا۔ جب آگرہ پہنچے اور حضور نے با جماعت نماز ادا فرمائی تو اسٹیشن ہی سے خط تحریر فرمایا کہ الحمد للہ نمازِ با جماعت ادا ہو گئی، میرے روپے وصول ہو گئے، آگے مفت میں جا رہا ہوں۔»

سوانح نگار کا ایک بڑا فرض یہ بھی ہوتا ہے کہ صاحبِ سوانح کی زندگی کے ان پہلوؤں کی طرف خاص طور سے اشارہ کرے جو اصولی اور اساسی اہمیت رکھتے ہوں۔ مولانا ظفر الدین بہاری نے تین صفحات میں اعلاحضرت کی شخصیت کے استحکام اور عمل کے معاملے میں حد درجہ سالمیت کو جس طرح بغیر کسی اعلان، دعویٰ یا تشریح کے پیش کر کے سوانح نگار کا بہترین کارنامہ ادا کیا۔

اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور ان کی زندگی کے واقعات بالعموم عوام وخواص میں معروف ہیں۔ اس وجہ سے سوانح نگار کے لیے یہ امتحان کی بات ہوتی ہے کہ کیا وہ معلوم اور مشہور واقعات کے تھکا دینے والے سلسلے سے قارئین کو ہم آشنا کرائے یا صاحبِ سوانح کی شہرت اور عظمت کے باوجود انجانے لیکن نمائندہ پہلوؤں کو واشگاف کرتا چلے۔ سوانح نگار نے اس معاملے میں واقعتاً کامیابی پائی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی زندگی کے روشن تر گوشوں کو نہایت اختصار یا چند جملوں میں پیش کر دیا۔ لیکن انوکھے انہونے اور نئے گوشوں کی طرف بہ صراحت توجہ کی ہے۔ اعلاحضرت کی قوت حافظہ کے بارے میں سینکڑوں سچے واقعات عام ہیں۔ ان کے فتاویٰ اس کا بھر پور ثبوت ہیں۔ سوانح نگار نے مولوی محمد حسین کا ایک بیان نقل کیا ہے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت کی طبیعت ناساز چل رہی تھی اور عمومی ملاقات کا سلسلہ بند تھا۔ ایک نشست میں مختلف موضوعات پر اور متعدد مذہبی امور کے سلسلے سے سوالوں کے جواب اس طرح مختلف اصحاب کو املا کرایا گیا، اس کی تفصیل خود سوانح نگار کی زبانی ملاحظہ کریں۔ «اعلاحضرت نے ایک گڈی خطوط کی مولانا امجد علی صاحب کو دے کر فرمایا: آج تیس خط آئے تھے، ایک میں نے کھول لیا ہے۔ یہ انتیس گن لیجیے انھوں نے انتیس گن کر ایک لفافہ کھولا، جس میں کئی ورق پر جو سوالات تھے، وہ سب سنائے۔ حضرت نے پہلے سوال کے جواب میں ایک فقرہ فرما دیا۔ وہ لکھنے لگے، اور لکھ کر عرض کی: حضور! اس پر آپ سلسلہ وار اس کے آگے کا فقرہ فرما دیا کرتے۔ اور دوسرے صاحب نے حضور کہنے کے درمیان میں اپنا خط سنانا شروع کیا۔ جب یہ حضور! کہتے، وہ رک جاتے۔ اور جب یہ فقرہ سن کر لکھنے لگتے، تو وہ اپنا خط سنانے لگتے۔ اسی طرح انھوں نے اپنا خط ختم کیا، اور ان کو بھی ان کے پہلے سوال کے متعلق جو فقرہ مناسب تھا، وہ ارشاد فرما دیا۔ اب دونوں صاحب اپنا اپنا فقرہ ختم کرنے کے بعد حضور! کہتے اور جواب ملنے پر لکھنا شروع کرتے۔ اسی حالت میں ان دو حضور حضور سے جتنا وقت

بچتا، اس میں تیسرے صاحب نے اپنا خط سنانا شروع کیا۔ اور اسی طرح ختم کر کے جواب لکھنا شروع کیا۔ اب چوتھے صاحب نے ان تین حضور حضور کے درمیان جو وقت بچتا، اپنا خط سنانا شروع کیا۔ اور اسی طرح ختم کر کے جواب لکھنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر مجھے حقیقتاً پسینہ آ گیا۔ اور ایک صاحب جو میرے قریب بیٹھے تھے، اسی حالت میں کچھ مسئلے پوچھے، جنھیں سن کر مجھے بہت ملال اور غصہ ہوا کہ اس شخص کو ایسی حالت میں سوال کرنے کا کچھ خیال نہیں مگر اعلیٰ حضرت نے ذرہ بھر بھی ملال نہ فرمایا، اور بہت اطمینان سے ان کو بھی برابر جواب دیے۔»

محض ایک مثال سے سوانح نگار نے اعلیٰ حضرت کی اس حیرت انگیز قوتِ حافظہ کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ ایک ساتھ چار اور پانچ لوگوں کو الگ الگ سوالوں کے جواب میں املا کرانے کا سلسلہ ہے۔ کہیں ایک کی بات دوسرے میں ضم نہیں ہوتی اور تیسرے کے لیے مقررہ جملہ چوتھے کے متن میں سما نہیں جاتا۔ صلاحیتِ خداداد اسے ہی کہتے ہیں۔ اختصار کے ساتھ سوانح نگار نے مختلف علوم و فنون میں اعلیٰ حضرت کی مہارتِ علمی کا ذکر کیا ہے۔ ریاضی دانی، علمِ ہئیت، تاریخ گوئی اور فتویٰ نویسی کے باب میں جستہ جستہ واقعات پیش کر کے مولانا محمد ظفر الدین بہاری نے اعلیٰ حضرت کی فقید المثال شخصیت کی ایک جھلک صاف صاف پیش کر دی ہے۔

اس سوانح کے تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں باب میں اعلیٰ حضرت کی شخصیت کے ارضی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ قول اور فعل میں یکسانیت اور ہمواری کی درجنوں مثالیں اعلیٰ حضرت کی زندگی کے واقعات پیش کرتے ہوئے سوانح نگار نے فراہم کی ہیں شریعتِ اسلامی کی ہر حال میں اور صدفی صد پابندی اور ایک عام آدمی یا امتِ مسلمہ کے عام فرد کی طرح اعلیٰ حضرت کی زندگی کے واقعات کا روشن ہونا اس سوانح کا سب سے کامیاب حصہ ہے۔ سوانح نگار نے نمونے کے طور پر جو واقعات پیش کیے ہیں، وہ حد درجہ نمائندہ ہیں۔ درجنوں واقعات خود ان کی آنکھوں دیکھے بھی ہیں۔ لیکن ایک اچھے سوانح نگار کی طرح انھوں نے سیکڑوں دوسری شہادتوں اور راویوں کی تحریروں یا بیان کردہ اطلاعات سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ اس سے اس سوانح کی معروضیت اور حقیقت پسندی میں اضافہ ہوتا ہے۔

واقعات کے بیان میں مولانا بہاری نے اتنا بہتر انتخاب کیا ہے کہ سو اور ہزار باتوں میں سے صرف وہی لمحہ اپنے بیان کے لئے مخصوص کیا جس سے اعلاحضرت کی شخصیت کا ایک علاحدہ زاویہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اخلاق اور مروّت کے سلسلے سے اعلیٰ حضرت کے امتیازات روشن کرتے ہوئے سوانح نگار نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے نام کسی بدعقیدہ کی گالی سے بھرے خط پر جب ایک مریدِ خاص نے مقدمہ دائر کرنے اور سزا دلوانے کی تجویز پیش کی تو اعلیٰ حضرت نے اس کا جواب اس طرح اپنے عمل سے فراہم کیا «اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ تشریف رکھیے۔ اندر تشریف لے گئے اور دس پندرہ خطوط دست مبارک میں لیے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ ان کو پڑھیے۔ ہم لوگ متحیر تھے کہ کس قسم کے خطوط ہیں؟ خیال ہوا کہ شاید اسی قسم کے گالی نامے ہوں گے جن کو پڑھوانے سے یہ مقصود ہوگا کہ اس قسم کے خط آج کوئی نئی بات نہیں، بلکہ زمانے سے آ رہے ہیں۔ میں اس کا عادی ہوں لیکن خط پڑھتے جاتے تھے اور ان صاحب کا چہرہ خوشی سے دمکتا جاتا تھا۔ آخر جب سب خط پڑھ چکے، تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: پہلے ان تعریف کرنے والوں بلکہ تعریف کا پُل باندھنے والوں کو انعام واکرام، جاگیر وعطیات سے مالا مال کر دیجیے، پھر گالی دینے والوں کو سزا دلوانے کی فکر کیجیے گا۔ انھوں نے اپنی مجبوری ومعذوری ظاہر کی اور کہا کہ جی تو یہی چاہتا ہے کہ ان سب کو اتنا انعام واکرام دیا جائے کہ نہ صرف ان کو بلکہ ان کے پشت ہا پشت کو کافی ہو۔ مگر میری وسعت سے باہر ہے۔ فرمایا: جب آپ مخلص کو نفع نہیں پہنچا سکتے تو مخالف کو نقصان بھی نہ پہنچایئے۔»

ایسے واقعات اس کتاب میں شامل کر کے سوانح نگار نے اسلامی کردار کا وہ مثالی نمونہ پیش کیا ہے جس کے لیے عام طور پر لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس کا سلسلہ اس سوانح کی تیسری جلد کے چھٹے باب میں پھر قائم ہوتا ہے جہاں تقریباً سو صفحات میں اعلیٰ حضرت کی متعدد کرامتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہر جگہ ثبوت کے لیے راوی ومشاہدین کے اسمائے گرامی بھی درج ہیں۔ مولانا بہاری نے ایک بھی جگہ رنگ آمیزی یا رقّت وعقیدت کے بے جا مظاہرے سے بھی گریز کیا ہے۔ سوانح نگار کی حیثیت سے یہ ان پر لازم تھا کہ کسی بھی واقعہ پر اصرار یا بلند بانگ دعویٰ نہیں پیش کیا جائے۔ سوانح نگار

واقعہ پیش کر دیتا ہے اسے قبول کرنے والے خود غور و فکر کرلیں۔»

اس سوانح کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ ایک لمحے کے لیے بھی سوانح نگار صاحبِ سوانح سے غافل نہیں رہتا۔ معاصرین یا ہم عصر واقعات کی پیش کش میں سوانح نگار نے اعلیٰ حضرت کی زندگی کی مرکزیت سے تھوڑے وقت کے لیے بھی گریز نہیں کیا جس کی وجہ سے سوانح نگار کی حیرت انگیز گرفت کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ ان باتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت کی زندگی کے مشہور اور ضروری گوشوں کو بھی توجہ کے ساتھ پیش کیا۔ ان کے علمی اور روحانی کمالات کے بارے میں جستہ جستہ جو معلومات فراہم کی گئی ہیں، ان سے ان کی قدِ آدم شبیہ واضح ہوتی ہے۔

مولانا محمد ظفرالدین بہاری کی سوانح نگاری کا ایک پہلو اور بھی لائق توجہ ہے۔ ہم ابتدا میں یہ بات ظاہر کر چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت سے انھیں شرفِ تلمذ بھی حاصل تھا اور ان کی بارگاہ میں طویل مدت تک حاضر رہے۔ اس کا سوانح نگار نے مختلف واقعات اور حالات کے ذکر میں مقدور بھر استعمال کیا ہے جس سے سوانح کا پایۂ استناد مزید مستحکم ہوتا ہے اور کتاب کے واقعات زندگی بہ داماں معلوم ہوتے ہیں۔ حالؔی کی سوانح عمریوں میں غالبؔ اور سرسیدؔ اپنی حقیقی شکل میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح موجودہ سوانح میں اعلیٰ حضرت ایک زندۂ جاوید شخصیت کے بہ طور سامنے آتی ہیں۔ حیات اور خدمات کے عمومی جائزے کے بعد مولانا ظفرالدین بہاری نے یہ اچھا کیا کہ اعلیٰ حضرت کی تصنیفات سے اقتباسات کے لیے علاحدہ جلدیں تیار کر دیں۔ جو کوئی سوانح کے علاوہ خدمات کے لیے گہرائی سے مطالعہ کرنا چاہے گا، اس کے لیے یہ آسانی پیدا ہو جائے گی کہ حیاتِ اعلیٰ حضرت کی دوسری اور تیسری جلد پر بہ نظرِ غائر توجہ دیں۔ اردو ادب کے ایک عام طالب علم کے طور پر اس سوانح کو ایک مکمل اور کارآمد کتاب کے طور پر دیکھتا ہوں۔ آئندہ اس کی ترتیب میں کمپیوٹر کے حروف کے پوائنٹ کم کر لیے جائیں تو یہ کتاب اتنی ضخیم نہیں معلوم ہوگی اور اس کا ہدیہ بھی کم رکھا جا سکے گا جس سے کتاب عوام میں بھی آسانی سے پھیل سکے گی۔ مولانا ظفرالدین بہاری کی زبان حالؔی کی طرح تو نہیں ہے لیکن سادگی اور صراحت کے جوہروں سے مالا مال ہے۔ دقیق مسائل بھی سادگی اور صفائی کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں جو سوانح نگاری کی مہارت کی دلیل ہے۔

ملک العلما حضرت مولانا محمد ظفرالدین بہاری کی سوانح «حیاتِ اعلیٰ حضرت» کے تین دفتر مل کر ایک بھرپور ذائقہ دستیاب کراتے ہیں۔ بہ ظاہر تین جلد اور ہزاروں صفحات کی یہ کتاب معلوم ہوتی ہے لیکن بین السطور میں نہ جانے کتنے جہان معنیٰ روشن ہیں۔ استاد اور صاحب سوانح کے عالمانہ وقار اور مذہبی حیثیت کے ساتھ ساتھ لائق شاگرد اور بے مثل عالم کی شخصیت کے نقوش بھی رہ رہ کر ابھرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ استاد سے قربت اور تعلق کا اشتہار چسپاں نہیں کیا بلکہ اس کا صرف اس لیے ذکر ہوا کیوں کہ صداقت اور شہادت کے لیے تنہا خود کو پیش کرنے کی ضرورت آ پڑی تھی۔ بعض کمزور لکھنے والے دوسروں کے ذکر کے بہانے چپکے سے اپنے واقعات پیش کر کے اپنی شخصیت ابھارنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ لیکن مولانا بہاری نے حالی اور محمد حسین آزاد کی عظیم کتابوں سے سوانح نگاری کے اصول اخذ کیے اور ہر موڑ پر اس بات کا دھیان رکھا کہ وہ اعلیٰ حضرت جیسی عظیم شخصیت کی سوانح لکھ رہے ہیں۔ اور انھیں اپنا ذکر صرف آنکھوں دیکھے واقعات کے ذیل میں سمیٹ کر رکھنا ہے۔ مولانا بہاری نے اپنا ذکر اتنے انکسار کے ساتھ اس کتاب میں کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے اور استاد کی بہترین تربیت کا اندازہ ہی نہیں بلکہ یقین ہو جاتا ہے۔ اس سوانح کی حیثیت اس اعتبار سے قاموسی ہے کیوں کہ یہاں اعلیٰ حضرت کی حیات و خدمات کا شاید ہی کوئی اہم گوشہ ہو جس کی کوئی جھلک نہیں پیش کی گئی ہو۔ زیادہ معلومات اور بھرپور معلومات کی فراہمی کے مقابل ترتیب سوانح کے مرحلے میں یہ احتیاط مولانا بہاری کو ایک بہترین سوانح نگار کے طور پر مستند قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ براہِ راست اردو ادب سے اس سوانح کا اتنا مختصر رشتہ ہونے کے باوجود ایک صاف ستھری، ترسیلی اور غیر پیچ دار زبان کی ہمواری کے ساتھ اس کتاب میں مصنف نے استعمال میں لایا ہے۔ کہیں بھی بات کہنے میں سوانح نگار کو کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اور جب ہم سوانح کے انجام تک پہنچتے ہیں، تب تک صاحب سوانح کی شخصیت ہمارے دلوں میں اتر چکی ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

آئینۂ وطن

مدارس کے لیے دو مفید اسکیمیں

عبدالعلیم قدوائی

ہم سب کے لیے بڑی خوشی اور فخر کی بات ہے کہ تعلیم کے میدان میں ہمارا ملک تیزی سے ترقی کر رہا ہے اور منصوبہ بند تعلیمی پروگرام پورے ملک کے طول و عرض میں بڑی کامیابی سے چل رہا ہے، چناں چہ پرائمری تعلیم کو عام کرنے کا منصوبہ کامیابی کے آخری مراحل میں ہے، اور سب پڑھیں، سب بڑھیں کے تحت سروشکشا ابھیان بڑی خوش اسلوبی سے چل رہا ہے، مرکزی حکومت نے اپنی قومی تعلیمی پالیسی میں پس ماندہ اقلیتوں کے بہتر نظام کو اہم درجہ دیا ہے، چناں چہ حال میں دو مفید اسکیمیں مسلم اقلیتی اسکولوں اور مدرسوں کو اچھی تعلیم کے لیے مدد دینے کی مرکزی حکومت نے شروع کی ہیں، جن کا مقصد اقلیتی تعلیمی معیار کو بہتر بنانا اور ان کے طلبہ کے لیے ضروری سہولتیں فراہم کرنا ہے۔

یہ اسکیمیں ریاستی حکومتوں کے ذریعہ ملک میں چلائی جا رہی ہیں، ان کا خلاصہ قارئین اشرفیہ کی دل چسپی کے لیے پیش ہے۔ امید ہے کہ اقلیتی تعلیمی ادارے خاص کر مدرسے ان سہولتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

اقلیتی تعلیمی اداروں (پرائمری سے لے کر سینیر سیکنڈری سطح تک کے اسکولوں) کو بہتر سہولتیں اور مراعات دینے کی اسکیم۔

آئی.ڈی.ایم.آئی. IDMI.

اس اسکیم کا خاص مقصد یہ ہے کہ اقلیتی تعلیمی اداروں کو ایسی سہولتیں اور مراعات فراہم کی جائیں، جن سے اقلیتی طلبہ خصوصاً لڑکیوں کی اچھی عصری تعلیم کا بندوبست کیا جا سکے، اور ان کی خصوصی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔ اقلیتوں میں تعلیمی پس ماندگی کا مسئلہ اس ملک کی حکومت اور عوام دونوں کی تشویش کا باعث ہے۔ اس اسکیم سے ان اضلاع، بلاک اور شہری علاقوں کو خاص طور پر فائدہ پہنچے گا، جہاں اقلیتی آبادی ۲۰؍ فی صد یا اس سے زیادہ ۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہو، اس مقصد کے لیے گیارہویں پنج سالہ منصوبے میں ۱۲۵؍ کروڑ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔

ہر اقلیتی تعلیمی ادارہ کو اس کی مانگی ہوئی رقم کا ۷۵؍ فی صد حسب ذیل کاموں کے لیے دیا جائے گا، بشرطے کہ اس کی میزان پچاس لاکھ روپے سے زائد نہ ہو۔

(۱) اسکول میں نئے درجات، سائنس، کمپیوٹر کی لیباریٹریز، لائبریری کے کمرے، غسل خانے بنوانے اور پینے کے پانی کے انتظام کا خرچ۔

(۲) اسکول کے طلبہ خاص کر لڑکیوں کے لیے ہوسٹل کی تعمیر کا صرفہ۔

(۳) کسی اور بھی مزید تعلیمی سہولت کے لیے جس کو سینٹرل یا ریاستی گرانٹ ان ایڈ کمیٹی مناسب سمجھے اقلیتی ادارہ کو مدد دے سکتی ہے۔

اسکیم کے تحت درخواست دینے کی شرائط:

کوئی بھی رضا کار تنظیم، سوسائٹی یا ٹرسٹ جو کم از کم گزشتہ تین سال سے اقلیتی تعلیمی ادارہ چلا رہا ہو، اس اسکیم کے تحت امداد کے لیے درخواست بھیج سکتا ہے۔ ان اداروں کے لیے ضروری ہوگا کہ:

(۱) ان کا باقاعدہ دستور یا آرٹیکل آف ایسوسی ایشن ہوں جن کے تحت وہ

زاہدہ منزل، نیوفرینڈس کالونی، علی گڑھ

اقلیتی تعلیمی ادارہ چلا رہے ہیں۔

(۲) ان کے پاس اس پروگرام کو چلانے اور اس پر عمل درآمد کرنے کے لیے باخبر اور مناسب کارکن موجود ہوں، جو اپنے یا کسی خاص گروہ کے فائدہ کے لیے اس کام میں حصہ نہ لے رہے ہوں۔

(۳) اپنے تعلیمی ادارہ میں زبان، مذہب، یا جنس کی بنا پر کوئی تفریق نہ کرتے ہوں۔

(۴) وہ اس ادارہ کو کسی سیاسی پارٹی کو فائدہ پہنچانے یا فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے لیے نہ چلا رہے ہوں۔

(۵) ان میں اقلیتی طلبہ کی معقول تعداد تعلیم حاصل کر رہی ہو اور ان سے تجارتی بنیاد پر اونچی اونچی فیسیں وصول نہ کی جا رہی ہوں۔

امداد کی درخواست مقررہ فارم پر ریاستی محکمہ تعلیم کے سکریٹری کے پاس بھیجنا چاہیے، جو ریاستی گرانٹ ان ایڈ کمیٹی کا صدر ہوگا۔ درخواست میں تعلیمی ادارہ کا نام اور پتہ، مجلس انتظامیہ کا نام اور پتہ، رجسٹریشن نمبر، ارکان کی تعداد، بینک اور قانونی صلاح کار کا نام، جو سہولتیں موجود ہوں ان کی تفصیل اور جو سہولتیں درکار ہوں ان کی تفصیل اور مطلوبہ رقم کی تعداد لکھنا چاہیے۔ نیز اساتذہ کی تعداد، اسکول کی کارکردگی رپورٹ، مستقبل کے منصوبہ وغیرہ کی بھی معلومات دینا چاہیے اور یہ بھی صراحت کرنا چاہیے کہ کل صرفہ کا ۲۵ رفی صد حصہ ادارہ چلانے کے ذمہ دار اپنی طرف سے لگائیں گے، یعنی سرکاری امداد کل رقم کا ۷۵ رفی صد ہوگی۔ اخراجات کا تخمینہ ریاستی پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ کی شرحوں کے مطابق ہونا چاہیے۔ درخواست پر انتظامیہ کے صدر یا سکریٹری کے دستخط ہوں گے۔ ریاستی گرانٹ ان ایڈ کمیٹی موصول ہونے والی تمام درخواستوں کی جانچ کر کے اپنی سفارشوں کے ساتھ مرکزی گرانٹ ان ایڈ کمیٹی وزارت برائے فروغ وسائل انسانی محکمہ تعلیم کو بھیجے گی جو امداد کی رقم منظور کرے گی۔ امدادی رقم دو قسطوں میں ادا کی جائے گی، مگر دوسری قسط اسی وقت ریاستی حکومت ادا کرے گی، جب اقلیتی ادارہ کی انتظامیہ اپنا ۲۵ رفی صد حصہ سہولتوں کی فراہمی میں صرف کر چکی ہوگی۔

اس اسکیم کے ذریعہ اقلیتی تعلیمی ادارے بہت سی سہولتوں کے لیے سرکاری امداد حاصل کر کے اپنا معیار اور کارکردگی بڑھا سکتے ہیں۔

مدرسوں میں اچھی تعلیم دینے کے لیے مرکزی اسکیم

یہ اسکیم بھی حکومتِ ہند کی قومی تعلیمی پالیسی کے تحت مسلم اقلیت کے مدرسوں، مکتبوں اور دار العلوم میں اچھی عصری تعلیم کا نظم کرنے کے لیے شروع کی گئی ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ ان اداروں میں غیر رسمی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے تعلیمی معیار اور صلاحیتوں کو بہتر بنایا جائے۔ اس سے قبل دسویں پنج سالہ منصوبہ میں مدرسوں کی جدید کاری اور ان میں عصری تعلیم شروع کرنے کے لیے ایک اسکیم شروع کی جا چکی ہے۔ حکومت ہند نے اقلیتوں کی تعلیم پر نگرانی رکھنے کے لیے ایک نیشنل مانیٹری کمیٹی بنائی جس میں مختلف شعبوں کے ماہر شامل تھے۔ اس کمیٹی نے مدرسوں کی جدید کاری کے پروگرام کا مکمل جائزہ لیا اور اپنی سفارشات مدرسوں میں بہتر تعلیم دینے کے لیے پیش کیں، جن میں ٹرینڈ استادوں کی فراہمی، عصری مضامین اور پیشہ ورانہ تعلیم، استادوں کے مشاہروں میں اضافہ اور ریاستی مدرسہ بورڈوں کو مزید اختیارات دینے پر زور دیا گیا۔ یہ اسکیم انھیں خطوط پر مرتب کی گئی ہے اور گیارہویں منصوبے میں اس کے لیے ۳۲۵ رکروڑ روپے مختص کیے گئے ہیں۔ یہ اسکیم پورے ملک میں ریاستی حکومتوں کے ذریعہ نافذ کی جا رہی ہے۔

اغراض ومقاصد:

(۱) ملک کے مدرسوں، مکتبوں اور دار العلوموں میں عصری تعلیم کے مضامین پڑھانے کا معقول انتظام کرنا تاکہ وہاں کے طلبہ ثانوی اور سینیر سیکنڈری درجوں تک کی تعلیم حاصل کریں اور اچھی زندگی بسر کریں۔ اس اسکیم سے کوئی بھی مدرسہ اپنی مرضی کے مطابق فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اگر چاہے تو نیشنل اوپن اسکول کا اسٹڈی سینٹر بھی اپنے یہاں قائم کر سکتا ہے۔

(۲) اس اسکیم میں مدرسوں اور مکتبوں میں ۱۴ رسال سے اوپر کے طالب علموں کے لیے پیشہ وارانہ تعلیم کا بندوبست بھی کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ کوئی ہنر سیکھ کر اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں اور ان میں مہم جوئی کا جذبہ پیدا ہو سکے۔ ریاستی مدرسہ بورڈ بھی اس امداد کے ذریعہ اپنے علاقہ کے مدرسوں کی جدید کاری اور پیشہ وارانہ تربیت کا انتظام کر سکتے ہیں اور مسلم اقلیت کی فلاح وبہبود کے لیے مثبت کام کر سکتے ہیں۔

(۳) مدرسوں اور مکتبوں کے اساتذہ کو عصری علوم پڑھانے اور اپنی لیاقت بڑھانے کے لیے ملازمت کے ساتھ ساتھ مناسب ٹریننگ بھی دی جائے گی اور ان کے مشاہروں میں معقول اضافہ بھی کیا جائے گا۔

یہ ملحوظ رہے کہ اس اسکیم کا مقصد روایتی مذہبی تعلیم کو چھوڑنے یا بدلنے کا ہرگز نہیں ہے بلکہ مدرسوں میں مناسب عصری اور پیشہ وارانہ تعلیم کا انتظام ہے۔

اندازہ ہے کہ گیارہویں منصوبہ میں ملک کے تقریباً پانچ چھ ہزار مدرسوں اور ان کے تقریباً پندرہ ہزار اساتذہ کو اس اسکیم کے تحت امداد فراہم کی جائے گی اور لگ بھگ سات لاکھ طلبہ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ ریاضی، سائنس، سوشل سائنس، انگریزی اور ہندی کے عصری مضامین کی تعلیم حاصل کر پائیں گے۔

مالی امداد کا دائرہ اور تقسیم کا طریقۂ کار:

مالی امداد حسب ذیل کاموں کے لیے استعمال کی جا سکتی ہے:

(۱) سائنس، ریاضی، سماجی علوم، کمپیوٹر، انگریزی، ہندی کے پڑھانے والے استادوں کے تقرر کے لیے کم سے کم دس طلبہ کے لیے ایک استاد کو رکھا جا سکتا ہے جو اگر گریجویٹ ہو تو اسے ۶۰۰۰ رروپے ماہ وار تنخواہ دی جائے گی اور اگر پوسٹ گریجویٹ یا بی ایڈ ہو تو ۱۲۰۰۰ رروپے ماہ وار تنخواہ ملے گی۔ یہ ریاستی مدرسہ بورڈوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ مدرسوں کو اچھی استعداد والے اساتذہ کی فراہمی میں مدد کریں۔

(۲) لائبریری قائم کرنے یا اس کو اور بک بینکوں کو بڑھانے اور عصری علوم کو پڑھانے کے لیے ضروری ساز وسامان کی خریداری کے لیے ہر مدرسہ کو پچاس ہزار روپے کی یک مشت رقم دی جائے گی اور اسی کے ساتھ پانچ ہزار روپے سالانہ کی گرانٹ بھی دی جائے گی۔

(۳) مدرسوں میں سینئر سیکنڈری سطح پر سائنس، کمپیوٹر کی لیباریٹری یا ورک شاپ کھولنے کے لیے ہر مدرسہ کو ایک لاکھ روپے کی یک مشت رقم اور پانچ ہزار روپے سالانہ کی گرانٹ مشینوں کی دیکھ بھال کے لیے دی جائے گی۔

(۴) اس اسکیم کے تحت ریاستی حکومت ہر مدرسہ میں عصری تعلیم دینے والے استادوں کی ۱۵ ردن کی ٹریننگ دلوانے کا انتظام کرے گی۔ ٹریننگ اور سفر خرچ کے لیے ٹریننگ دینے والے ادارہ کو ایک استاد کے لیے ۱۰۰ ررروپے روزانہ کی رقم دی جائے گی۔

(۵) مدرسہ کے جتنے بھی طالب علم سینئر سکنڈری سطح تک نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوپن اسکولنگ کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنا چاہیں ان کے رجسٹریشن، امتحان کی فیس، کتابوں اور ساز وسامان کا پورا صرفہ مدرسہ کو دیا جائے گا۔ اسی طرح جو مدرسے انسٹی ٹیوٹ آف اوپن اسکولنگ کے مطابق چلانا چاہیں تو ان کو ان تمام کورسوں کا پورا خرچ دیا جائے گا اور ان کورسوں کو اس علاقہ میں چل رہی صنعتوں اور انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ سے جوڑ دیا جائے گا، تاکہ طلبہ کو روزگار مل سکے۔

(۶) ہر مدرسہ بورڈ کو اس اسکیم جانچ پڑتال اور نگرانی کے لیے ۵ رلاکھ روپے سالانہ کی گرانٹ دی جائے گی تاکہ وہ لائق اور تجزیہ کار اسٹاف، ضروری ساز وسامان اور وسائل کا بندوبست کر سکے اور مدرسہ کی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

شرائط:

اس اسکیم سے صرف وہی مدرسے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو حسب ذیل شرائط پوری کرتے ہوں۔

(۱) کم سے کم تین سال سے وہ کام کر رہے ہوں اور وہ مرکزی یا ریاستی حکومت یا مدرسہ بورڈ یا وقف بورڈ یا نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوپن اسکولنگ سے رجسٹرڈ ہوں۔ مالی امداد کی درخواست کے ساتھ رجسٹریشن کا ثبوت مصدقہ دستاویز کی شکل میں بھیجنا لازمی ہے۔

(۲) ہر مدرسہ میں عصری علوم پڑھانے والے استادوں کو ریاستی حکومت مختلف ٹریننگ دینے والے اداروں سے مناسب ٹریننگ دلوائے گی۔ مدرسہ کو ان استادوں کی ٹریننگ سرٹیفکیٹ ریاستی گرانٹ ان ایڈ کمیٹی کو بھیجنا ہوں گے، جو ان کو ہر سال مرکزی کمیٹی کو بھیجے گی۔

جن مدرسوں کو ریاستی حکومت سے استادوں کی تنخواہ، ان کی ٹریننگ کا خرچ، درسی کتب، کمپیوٹر اور سائنس کے ساز وسامان کی خریداری کے لیے گرانٹ یا کسی بھی سرکاری اسکیم کے تحت مدد مل رہی ہے، ان کو اس اسکیم کے تحت ان مدوں کے لیے کوئی مدد نہیں دی جائے گی۔

اس اسکیم کا پورا خرچ مرکزی حکومت گیارہویں منصوبہ میں برداشت کرے گی۔ مدرسوں اور ریاستی مدرسہ بورڈوں کو اس مالی امداد کا آڈٹ شدہ حساب ریاستی حکومت کو دینا ہوگا اور اپنی سرگرمیوں اور ریکارڈ کو مرکزی یا ریاستی حکومتوں کے مجاز افسروں کو دکھانا پڑے گا۔

اس اسکیم کے تحت مالی امداد کی درخواست ایک مقررہ فارم پر ریاستی حکومت کو بھیجنا ہوگی، جو اسے اپنی سفارشوں کے ساتھ مرکزی حکومت کو بھیجے گی۔ اس فارم میں ہر مدرسہ کو اپنی مکمل تفصیلات، جن مدوں کے لیے امداد مطلوب ہوں اس کے تخمینے دینا ہوں گے۔ ریاستی حکومت اس مقصد کے لیے اپنے محکمہ تعلیم کے سکریٹری کی زیر صدارت ایک گرانٹ ان ایڈ کمیٹی بنائے گی جو ریاست کی تمام درخواستوں کو اپنی سفارشات کے ساتھ مرکزی گرانٹ ان ایڈ کمیٹی کو بھیجے گی۔

مرکزی حکومت کی ان دونوں اسکیموں سے امید ہے کہ اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی دور کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔ ☆☆☆

منظومات

ہدیۂ تہنیت بمناسبت تشکیل تنظیم ابنائے و استمداد از درگاہ مادرِ علمی الجامعۃ الاشرفیہ

اشرفیہ، مادرِ علمی ترا احسان ہے

اے خدائے کُل جہاں، ہردم تری اک شان ہے
رفعِ ذکرِ مصطفیٰ، تیری بڑی پہچان ہے

یار کے جلوؤں میں پوشیدہ ہے کیا، کس کو خبر
کہنے والوں نے کہا، بس رازداں یزدان ہے

بولا عاشق! صاحبِ قرآں ہے مدّاحِ حضور
غیر ممکن ہے ثنا جس کی، یہی ایمان ہے

"کُنتُ کنزًا" کا اشارہ کون سمجھے گا بھلا
آنکھ والوں کے لیے ہاں! یہ بڑا بُرہان ہے

ذرے ذرے میں کروڑوں آنکھیں جن میں اک جہاں
سر جھکا لے اے خرد! ورنہ بڑا نقصان ہے

آکہ اب ہم چلتے ہیں دنیاے حبِّ یار کو
زندگی ہے، جان ہے اور گوہر و مرجان ہے

اس کی رحمت کے مظاہر بے حساب و بے شمار
رحمۃ للعالمینی کا بڑا فیضان ہے

کوئی ہم کو زیر کرتا ہے تو کوئی پھر زبر
ہم ہیں شاگرد دونوں کے، دوں ہی کا احسان ہے

ہم نہ ہوتے زیر تو کیسے سمجھ پاتے زبر
جو سمجھ پائے نہ اِس کو، وہ بڑا نادان ہے

ایک لے کے نیچے آیا، ایک اوپر لے اڑا
عالمِ روح و بدن دونوں ہی کی اک شان ہے

ذرہ وابستہ ہوا تجھ سے بنا رشکِ قمر
اشرفیہ! مادرِ علمی! ترا احسان ہے

تیرے قدموں سے لگے جنت بداماں ہوگئے
تیرے فرزندوں کی قسمت بے گماں دھنمان ہے

یہ ادائے تربیت! اللہ اکبر!! کیا کہیں
جاں چلی جائے کہو، پھر بھی نہیں نقصان ہے

نفیِ موت ہے اک حیاتِ جاودانی کا ثبوت
"مُوتُو قَبلَ اَن تَمُوتُوا" کا یہی فرمان ہے

تجھ سے ہی قرآں ملا، تجھ سے مِلا علمِ حدیث
تو ہے طورِ علم و حکمت، منبعِ عرفان ہے

تونے کیا کیا نہ دیا، ہم سوچ سکتے ہی نہیں
کوزہ میں دریا بھرا، ولیوں کی جیسی شان ہے

اک انا ساگر کی کیا؟ لاکھوں کروڑوں بے شمار
ایک قطرہ بن کے آئیں، اس میں کیوں حیران ہے

کالے گورے، اونچے نیچے، کیا امیر و کیا فقیر
کتنوں کو تو ہے نوازے کیا ترا فیضان ہے

گم ہے تجھ میں کائنات و تو محیطِ ہر صدی
عَسقلان و قسطلان و مصر تا نبہان ہے

کیوں جہانگیری مقدر ہو نہ تیرا جب کہ تو
متصل مخدوم سے جو سیدِ سمنان ہے

تیری خو بو ہے عطا کرنے کی سب کو خوب خوب
تیری نسبت خواجہ سے جو ہند کا سلطان ہے

در نگاہِ اولیا تو یافتی رفتہ بلند
زانکہ تو منسوب گشتی از شہِ جیلان ہے

تیرا مسلک ہے توسّع، تیرا مشرب در گزر
تو امینِ مسلکِ شاہِ رضائے خان ہے

وہ رضا جس کی محبت سے ہے مہکی کائنات
جام مارہرہ سے پی کر ثانیِ حسان ہے

جس کی نگہِ ناز سے خیرہ ہوئے عرب و عجم
جن کا نامِ پاک ہی ہر درد کا درمان ہے

تیرے فرزندوں کو ملتی ہے صدارت شرع کی
حضرتِ صدر الشریعہ ہی کا یہ فیضان ہے

اشرفیت، امجدیّت، اور رضویّت کا ہار
تونے پہنا ہے گلے میں، فائقِ اقران ہے

قطبِ عالم، مفتیِ اعظم، جو ہیں شیرِ خدا
جن کے پائے ناز سے گلشن ترا ریحان ہے

چوڑیاں بغداد سے، پائل مدینہ پاک سے
تیرے کنگن کی چمک اجمیر کی مسکان ہے

ہم ترے فرزند ہیں، ہوں گے کہیں بھی جا بسیں
تیری ہر آواز پر لبیک، یہ پیمان ہے

کیوں نہ ہو جب کہ ہمیشہ پایا ہم نے ہے یہی
تیرا ہر ارشاد سب کی زیست کا سامان ہے

تیری کشتی کی محافظ حافظِ ملت کی ذات
جن کا نامِ پاک بے شک ٹالتا طوفان ہے

کس میں طاقت ہے جو سمجھے ذات ان کی بے مثال
جن کی شخصیت کی تہہ تو مثلِ اک قرآن ہے

شکر کرتے ہیں خدا کا تیرے ابنائے کرام
تجھ سی مشفق مادرِ علمی ہی جن کی شان ہے

تیری عفت اور امانت ہی کی ٹھنڈی چھاؤں میں
زندگی سب کی گزرتی ہے، ترا احسان ہے

حکم ہے تیرا ہمیں کہ ہوں منظم سب یہاں
کہ جماعت پر ہمیشہ رحمتِ رحمان ہے

تجھ سے ناتا جوڑ کر ہی سرخرو ہوں گے مدام
تیری نسبت ہی ہمارا آدر اور سمّان ہے

لاکھ تیرا نام لیں، عہدہ بر آ سکتے نہیں
کیوں کہ دریا ہی کا پانی صورتِ باران ہے

تیرے اس احسان کا بدلہ بھی تو احسان ہے
حق شناسی بے گماں اک مفخرِ انسان ہے

مادرِ علمی و روحیؔ دست بستہ عرض ہے
کر قبول اپنوں میں تو مشکل ہر اک آسان ہے

حکم عدولی کر کے تیری کیسے جی سکتے ہیں ہم
ہم بھی ہوں تیرے سپوتوں میں یہی ارمان ہے

تو کہ جو چاہیں کھلیں اک پل میں ساری بندشیں
تیری نگہِ ناز کا فیضان جوں رمضان ہے

تو لگا لے پھر ہمیں سینے سے اپنے پیار کے
ماں! تری دریا دلی مشہور ہر ہر آن ہے

اپنے آنچل کے تصدق درگزر کرنا ہمیں
ہم سے ہیں کوتاہیاں، آخر میں ہم انسان ہیں

تو کہ دریاے عظیم و من کہ بے مایہ حباب
چھوٹا منہ باتیں بڑی انگشت در دندان ہے

دے اجازت اس فقیرِ قادری فیصل کو تو
کب تلک بولے گا، لگتا ہے بڑا نادان ہے

ہیں عزیزِ دین و ملت سربراہ، جامعہ
حافظِ ملت ہی کی روحانیت کی شان ہے

اشرفیہ، مادرِ علمی پھلے پھولے سدا
ایں دعا از من و از جملہ جہاں سبحان ہے

عقیدت کیش: شاہ فیصل قادری مصباحی گونڈوی، جامعۃ المدینہ، جوہانس برگ، ساؤتھ افریقہ

امام احمد رضا کے مرکز عقیدت میں
علامہ محمد احمد مصباحی کی خدمات کا اعتراف

مبارک حسین مصباحی

ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۰۱۰ء کے شماروں میں ہم یہ کالم نہیں لکھ سکے۔ «الاعتذار عند کرام الناس مقبول» ہم عذر خواہی کی تفصیل لکھ کر آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ اس دوران خاکِ ہند میں جو سب سے حساس مسئلہ سامنے آیا وہ بابری مسجد کی ملکیت کے حوالے سے اتر پردیش کی ہائی کورٹ کا فیصلہ تھا، قریب ساٹھ سالہ زیر سماعت مقدمے کی جو تفصیلات دلائل وشواہد کے ساتھ جگ ظاہر تھیں، ان کی روشنی میں اہل علم ودانش کا عام تاثر یہی تھا کہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں آئے گا، مگر افسوس حق وانصاف کے تمام تقاضوں کو آستھا کی دیوی پر بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کے پاس صبر کے علاوہ کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ فیصلے سے قبل مسلم قائدین اور مسلم تنظیموں نے اپیلیں کرنا شروع کر دی تھیں کہ فیصلے کا بہر صورت احترام کیا جائے۔ تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کی جانب سے ہم نے بھی خیر سگالی پریس کانفرنس بلائی اور اہل سنت کے درمیان بھی یہی پیغام عام کیا، کیوں کہ احتجاج اور ہنگامہ خیزی کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔ آزادی کے بعد سے آج تک جتنے بھی ہندو مسلم فسادات ہوئے، سب کا نتیجہ مسلمانوں کی جان ومال کی تباہی کی شکل میں سامنے آیا۔ یہ سچ ہے کہ فیصلہ ایک منظم پروگرام کے تحت مسلمانوں کے خلاف کرایا گیا، اور دستورِ ہند کی روشنی میں ہم اسے ماننے کے لیے مجبور بھی ہیں، لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے جس زمین پر ایک بار مسجد بنا دی گئی، وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی۔ باضابطہ مسجد کی تعمیر کے بعد اگر مسلمان واقف بھی اس میں تبدیلی کرنا چاہے تو اب اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بابری مسجد میں قریب پانچ سو برس تک مسلمان نماز ادا کر چکے ہیں۔ بابری مسجد کی زمین بابری مسجد ہی کی زمین رہے گی۔ مسلمان جب بھی طاقت پائیں، یا قانونی چارہ جوئی کے بعد کامیابی پائیں اس زمین پر مسجد تعمیر کرنا اور اسے سجدوں سے آباد کرنا لازم ہوگا۔ اس وقت ملک میں بدعنوانی، نوکر شاہی سے لے کر مقننہ اور عدالت تک جا پہنچی ہے، اس کا اعتراف ایک معاملے کی سماعت کے دوران خود الہ آباد ہائی کورٹ نے بھی کیا ہے۔ عدالت نے اس بات پر بھی ناراضگی ظاہر کی ہے کہ بدعنوانی کو روکنے کے لیے بنی ایجنسیاں ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ ہائی کورٹ نے ملک میں پھیلی بدعنوانی پر تلخ تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ آزادی کے بعد ۶۰؍ برسوں میں ملک نے صرف بدعنوانی کے معاملے میں ترقی کی ہے۔

بابری مسجد ملکیت فیصلے کا سب سے حساس پہلو یہ ہے کہ اگر دستوری اور تاریخی حقائق کے بجائے معتقدات کی بنیاد پر عدالتیں فیصلے دینے لگیں تو پھر ہندوستان میں نہ تاریخی آثار محفوظ رہیں گے اور نہ مذہبی مقامات، جب تک سپریم کورٹ اس رویہ پر روک نہیں لگاتی ہندوستانی عدالتیں اس فیصلے کو نظیر بنا کر فیصلے کرنے کے لیے آزاد ہوں گی اور ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ ان تمام گوشوں پر اہلِ علم اور خیر خواہانِ ملت کو سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک ہندوؤں کے ہر دل عزیز مولانا وحید الدین خاں کے دلائل ہیں کہ سعودی حکمرانوں نے بہت سی قدیم مساجد کو شہید کر کے شاہ راہیں، ہاسپیٹل اور ہوٹل وغیرہ تعمیر کر لیے ہیں، لہٰذا جو کام سعودی عرب میں کیا جا سکتا ہے، وہ ہندوستان میں کیوں روا نہیں ہوگا۔ ہم ان کے دماغی خلجان کی اصلاح کے لیے صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام اور وہابی ازم یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، خارجیت کی جدید تعبیر وہابیت اور طالبانیت ہے۔ خارجی حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے دور میں ہی خارج اسلام قرار دیے گئے تھے۔ ان کے یہاں ہر قسم کی

دہشت گردی کل بھی روا تھی اور آج بھی روا ہے۔ جن کے دین و مذہب میں عظمت رسول ﷺ کا تقدس ہی پامال ہو چکا ہو، ان کے یہاں مسجدوں کی شرعی حیثیت کب محفوظ رہ پائے گی۔ طالبان اگر افغانستان میں مسلمانوں کی خون ارزانی کو جائز اور خودکش حملوں کو جنت کی ضمانت قرار دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہندوستانی مسلمان بھی دہشت گردی اور خودکشی کا سلسلہ شروع کر دیں، اسلام امن، محبت اور اسلامی آثار سے عقیدت ومحبت کی تعلیم دیتا ہے۔ لہٰذا سعودی حکمرانوں کے کالے کرتوت کو دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے شرعی معیار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بابری مسجد ملکیت مقدمہ کے تعلق سے مسلم تنظمیں سپریم کورٹ جانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ ظلم اور ناانصافی کے ماحول میں مسلمانوں کو یہی کرنا چاہیے۔ خانۂ خدا کی بازیابی کے لیے امن پسندی کے ساتھ ہر ممکن جدوجہد کرنا ہمارا دینی وملی تقاضا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

۲۹؍۳۰؍اکتوبر ۲۰۱۰ء میں منعقد ہونے والے عرس قاسمی برکاتی کی تفصیلات آپ اخبارات ورسائل میں پڑھ چکے ہیں، امام احمد رضا بریلوی کے مرکز عقیدت مارہرہ مطہرہ کا عرس کئی جہتوں سے اہل علم کے لیے قابل توجہ بنتا جا رہا ہے۔ خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشین امین ملت حضرت سید محمد امین میاں برکاتی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبۂ اردو کے پروفیسر اور البرکات انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کے بانی وسربراہ ہیں۔ ان کے برادران بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ وسیع النظر اور بلند فکر ہیں، روحانی سوز وساز کے ساتھ زمانے کی رفتار پر ان کی نظریں تیز رہتی ہیں۔ وہ سنتے کم ہیں، دیکھتے زیادہ ہیں، جو حضرات اپنے حاشیہ نشینوں سے صرف سن کر فیصلے لیتے ہیں۔ عام طور پر ان کے فیصلے حقائق سے دور ہوتے ہیں اور ہزار عقیدت کیشیوں کے باوجود عوام وخواص ان کے فیصلوں کو مسترد کر دیتے ہیں۔ میری ان سادہ سی باتوں پر اگر آپ سنجیدگی سے غور کریں تو بہت سے جماعتی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

شاید میں غیر اختیاری طور پر اپنے موضوع سے دور چلا گیا۔ میرا روئے سخن اس وقت یہ ہے کہ خانقاہ برکاتیہ کے رجال ومشائخ اہل علم اور بلند فکر ہیں، اس لیے اہل علم اور بلند فکر حضرات کی قدر کرتے ہیں، دین وملت کی مسلسل خدمات انجام دے رہے ہیں، اس لیے سال بہ سال دین وسنیت کے لیے نمایاں کارنامے انجام دینے والے حضرات کی خدمات کا اعتراف کرتے رہتے ہیں۔ امسال معمارِ ملت حضرت شیخ ابوبکر، کیرالہ، صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف کے بانی مولانا محمد حنیف رضوی کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ اعترافیہ سپاس نامے پیش کیے گئے۔ موخر الذکر دونوں حضرات کو ۲۱؍۲۱؍ہزار روپے نقد عطا کیے۔ بڑوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں، ان کے ارشادات کو حرزِ جاں بنایا جاتا ہے۔ ان کی نوازشات کو تبرک بنایا جاتا ہے، اور ان کے اعترافات کو بطور سند نقل کیا جاتا ہے۔ اس وقت جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے صدر المدرسین کو پیش کیا گیا سپاس نامہ ہمارے پیش نظر ہے۔ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی کی خدمات کا یہ اعترافیہ ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں تاکہ آئندہ نسلوں کے لیے یہ اعتراف سند رہے، اور نفسا نفسی اور تنگ نظری کے ماحول میں وسیع النظری، قدردانی اور حوصلہ افزائی کی فضا ہموار ہو۔

اعتراف خدمات۔ بموقع عرس قاسمی برکاتی ۳۰؍اکتوبر ۲۰۱۰ء

بجناب عالی عمدۃ المحققین مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ، صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

عصر حاضر میں سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت میں وہ چند شخصیات جو بہ یک وقت علم وفضل، بے نیازی، تفکر وتدبر اور مثبت ومتوازن فکر وعمل کی حامل ہیں ان میں حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی شخصیت بہت ہی نمایاں اور منفرد ہے۔ حضرت والا جہاں ایک متبحر عالم، باکمال مدرس، صاحب طرز نثر نگار اور بلند پایہ محقق ہیں وہیں دین وسنت کے بے لوث خادم اور اخلاص وایثار کے سچے آئینہ دار ہیں۔ آپ کی علمی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جس کا احاطہ بہت دشوار ہے۔ خدمات کا ایک طویل سلسلہ ہے جن میں کچھ تو ایسی ہیں جن سے اہل نظر بخوبی واقف ہیں مگر انہی کی تہ میں بہت ایسی خدمات بھی ہیں جو عام نگاہوں سے پوشیدہ ہیں جو کہ وہ آپ کی مخلصانہ جدوجہد، جفاکشی اور عرق ریزی کا نتیجہ ہیں۔

صاحب رائے، اپنی دنیا میں مگن، وقت کے قدردان، تحقیقی نظر اور تعمیری فکر کے حامل کم گو اور بسیار جو۔ یہ تمام صفات آپ کی شخصیت میں مجتمع ہو

کرآپ کو ہزاروں سے ممتاز اور نمایاں کر دیتی ہیں۔ اہل سنت کی عظیم درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی صدارت ونظامت کے گراں بار فرائض کے ساتھ تحریر وقلم اور علم وتحقیق کی دنیا سے خود کو جوڑے ہوئے ہیں، تدوین قرآن، امام احمد رضا اور تصوف، معین العروض و القوافی، تنقید معجزات کا علمی محاسبہ، تعارف جد الممتاز، حدوث الفتن و جهاد اعيان السنن اور مواهب الجليل لتحلية مدارك التنزيل آپ کے قلمی وعلمی شاہکار ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کے متعدد رسائل کی توضیح وتسہیل اور ان پر حواشی بھی آپ کا یادگار کام ہے۔ اہل سنت کے منفرد تصنیفی وتحقیقی ادارہ المجمع الاسلامی مبارک پور کی اپنے احباب کے ساتھ تاسیس اور اس کی سرپرستی مجلس برکات کے ذریعہ تصنیف وتالیف اور تحقیق وحاشیہ نگاری کی قیادت ورہنمائی، تنظیم المدارس کا قیام اور اس کے تحت متوازن نصاب تعلیم کی تشکیل میں کلیدی کردار اور مجلس شرعی مبارک پور کی صدارت۔ یہ سب ایسے زریں کارنامے ہیں جن میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ گراں قدر ایوارڈ پیش کیا جانا چاہیے۔ ان تمام اوصاف کے ساتھ جو وصف حضرت مصباحی صاحب کو معاصرین میں ممتاز کرتا ہے وہ علمی گہرائی کے ساتھ اہل سنت وجماعت کی خاموش فکری تعمیر وقیادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت وجماعت کے موجودہ اندرونی مسائل ونزاعات میں حضرت مصباحی صاحب کی رائے کی طرف سب کی نظر اٹھتی ہے اور ان کے مختصر جملے مطولات پر بھاری ہوتے ہیں اور مضطرب ذہنوں کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ثابت ہوتے ہیں۔

اراکین آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ان کے ان عظیم الشان کارناموں کے اعتراف میں ان کے حضور ہدیہ سپاس پیش کرتے ہوئے فخر وخوشی محسوس کرتے ہیں اور مستقبل میں آں موصوف سے دین وملت کی بیش از بیش خدمت کی توقع کرتے ہیں، خدائے تعالیٰ انھیں اس کی توفیق بخشے۔

ایں دعا از ما واز جملہ جہاں آمین باد

اراکین آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ۔ بڑی سرکار مارہرہ مطہرہ، ضلع ایٹہ۔ یوپی

بحکم: حضرت صاحب سجادہ پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی مدظلہ العالی۔

حضرت شیخ الجامعہ صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ کے اعزاز واکرام پر ہم ان کی بارگاہ میں جامعہ اشرفیہ کے اراکین، اساتذہ اور طلبہ کی جانب سے ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں درازی، اقبال میں بلندی اور دائرۂ خدمات میں وسعت عطا فرمائے۔ آمین، بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

مجلس شرعی مبارک پور کا اٹھارھواں فقہی سیمینار

بتاریخ: ۱۶/ ۱۷/ ۱۸/ صفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲/ ۲۳/ ۲۴/ جنوری ۲۰۱۱ء سنیچر، اتوار، پیر۔

موضوعات

(۱) اینیمیشن کا شرعی حکم؟

(۲) برقی کتابوں کی خرید وفروخت اسلامی نقطۂ نظر سے؟

(۳) زینت کے لیے قرآنی آیات کا استعمال؟

(۴) انٹرنیٹ کے شرعی حدود۔

رابطے کا پتہ: مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ

صداے بازگشت

یہ کالم ایک "صلاے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے" اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی

یہ ان کا کرم ہے کہ جو رخ میری طرف ہے

نازشِ فکر وفن، آبروے صحافت، حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی مدیر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور - السلام علیکم ورحمۃ اللہ

دراصل لفظ اور مقام قصبہ «مبارک پور» کی معنویت اس فقیر قادری کے فہم واعتقاد کے مطابق حضور جلالۃ العلم، استاذ العلما، سیدی حافظ ملت علامہ عارف باللہ شاہ عبد العزیز مرادآبادی ثم مبارک پوری، بانی الجامعۃ الاشرفیہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذاتِ بابرکت اور آپ ہی کے اس قولِ مبارک سے سمجھ میں آتی ہے کہ۔

جو ابر یہاں سے اٹھے گا وہ سارے جہاں پہ برسے گا

بلاشبہہ ابرِ فیضانِ سیدی حافظ ملت سارے جہاں پہ اس شان سے برس رہا ہے کہ۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

اہل سنت کے بے باک ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ کے ماہ ستمبر ۲۰۱۰ء کے ذریعہ ساری دنیاے سنیت میں یہ خبر پہنچی تھی کہ ساؤتھ افریقہ کے عروس البلاد مدینۃ الاولیا شہر ڈربن Durban کے محلہ چیسورتھ Chatsworth میں دار العلوم حافظ ملت کا افتتاح متعدد مقامی علما ومشائخ کے ہاتھوں بانی ادارہ حضرت مولانا فتح احمد عیش مصباحی بستوی دام ظلہ العالی کی قیادت میں انجام پذیر ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے اس کے اگلے ماہ (اکتوبر) میں دار العلوم ہذا کے تعلیمی افتتاح کے موقع پر حضور شہزادۂ سیدی حافظ ملت، پیر طریقت، رہبر شریعت، عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی مصباحی دامت برکاتہم القدسیہ نے بنفس نفیس تشریف لاکر اس فیضانِ عزیزی کو نورٌ علیٰ نور بنا دیا۔

دار العلوم حافظ ملت اور یونٹ ۹، Unit9, Chatsworth مسجد نے مشترکہ طور پر حضور عزیز ملت کے اعزاز میں مسجد کے اندر ایک استقبالیہ پروگرام رکھا۔ عوام وخواص اہل سنت وجماعت نے علماے کرام کے توسل سے حضور کی زیارت کی، دل ودیدہ شادکام ہوئے، تین افراد حضور عزیز ملت کے دست حق پرست پر داخلِ سلسلۂ عالیہ قادریہ، عزیزیہ بھی ہوئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

تنظیم ابناے اشرفیہ: حضور سربراہِ اعلیٰ کی صدارت میں دار العلوم حافظ ملت ڈربن ہی میں تنظیم ابناے اشرفیہ پر بھی تبادلۂ خیال ہوا۔ چوں کہ حضور کو تبلیغی اسفار پر مختلف جگہوں کے لیے نکلنا تھا، اس لیے قلتِ وقت کے پیشِ نظر یہ طے پایا کہ اس تنظیم کی باقاعدہ تشکیل انشاء اللہ جامعہ امام احمد رضا احسن البرکات، نیوکاسل New Castle (بانی ومہتمم مفتی شمس الحق برکاتی مصباحی بستوی) کے سالانہ جلسہ (۱۹-۲۱ نومبر) عمل میں آئے گی۔

۶/ اکتوبر ۲۰۱۰ء کی شام کو حضرت مولانا فتح احمد مصباحی نے ڈربن ایرپورٹ سے حضور کو کیپ ٹاؤن کے لیے الوداع کہا، جہاں حضور جناب مولانا غوث کمال کے ساتھ اپنا تبلیغی واشاعتی پروگرام دو دن جاری رکھ کر ۸/ اکتوبر کی شام کو جوہانس برگ تشریف لائے، جہاں دیگر علما وعوام اہل سنت کے علاوہ یہ خادم بھی حضور مولانا نوشاد عالم مصباحی غازی پوری بانی ومہتمم مدرسہ محمدیہ، قادریہ لینیز یا Lanasia کی معیت میں دست بوسی کی سعادت سے مشرف ہوا، فالحمد للہ علیٰ ذٰلک واللہ یهدی لنوره من یشاء اور ۱۰/ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو مختلف معتقدین اور فرزندانِ مادرِ علمی الجامعۃ الاشرفیہ کے جلو میں جوہانس برگ انٹرنیشنل ایرپورٹ سے صبح کے دس بجے عازمِ ہند ہوئے، اللہ تعالیٰ ہمارے علما ومشائخ کا سایہ ہم پر تادیر باقی رکھے، آمین۔

اب کچھ ادھر کی باتیں: سرزمینِ اولیا، وطنِ عزیز مادرِ ہند سے اگرچہ ہم جسمانی طور پر دور ہیں، مگر سلسلہ روحانیہ ان شاء اللہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس پیاری نسبت سے ہم ہر زمان، ہر مکان میں شادکام ہوں گے۔

بلاشبہہ مادرِ علمی کی روحانیت بہت ہی طاقت ور اور موثر ہے، حضور ہی کی آمد آمد پر عشا کی نماز کے بعد قلم کاغذ لے کر بیٹھا اور اذانِ فجر تک (تقریباً آٹھ گھنٹہ میں) کل انچاس اشعار کا ورود ہوا، ہم نے اپنے مطابق اس کا نام ہدیۂ تہنیت رکھا، دنیاے سنیت جو بھی نام دے، فقیر کو دل وجان سے گوارا ہے۔ یہ سب وارداتِ قلبیہ وقلمیہ ہیں، امید کہ گزشتہ کرم فرمائی پھر شاملِ حالِ فقیر ہوگی اور اس کو بھی اپنے مبارک جریدہ میں سر چھپانے

کی جگہ دیں گے۔ ہاں اسی کے ساتھ ساتھ آرام گاہِ سیدنا عطاے رسول، سلطان الہند خواجۂ خواجگاں حضور خواجہ غریب نواز کے اجمیر معلٰی کی شان میں کچھ اشعار کہلوایا گیا ہوں، گر قبول افتد زہے عزو شرف۔

اس سے پہلے درگاہِ عالیہ قادریہ امجھر کی شانِ والا تبار میں کچھ نذر کرنے کی کوشش کی تھی۔

دیدار کے قابل تو کہاں میری نگاہیں
یہ ان کا کرم ہے کہ جو رخ میری طرف ہے

اللہ تعالٰی آپ کو اور آپ کی ٹیم کو یوں ہی ترجمانِ دارین رکھے۔ والسلام مع الاکرام فقیر شاہ فیصل قادری

تنظیم ابنائے اشرفیہ کو ملی مسائل کے حل کا پلیٹ فارم بنادیا جائے

مکرمی مدیر اعلیٰ - السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اکتوبر کا شمارہ فردوسِ نگاہ بنا۔ ادھر چند مہینوں سے ٹائٹل پیج بہت جاذبِ نظر ہوتا ہے۔ ماہ نامہ عصری خوبیوں سے مرصع ہے۔

مسائل ومباحث کے کالم میں سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی دامت برکاتہ کی تحریر پڑھی۔ اپنے ایک فتویٰ کو جس کمال کے ساتھ حضرت مفتی صاحب نے توضیحی مضمون کی شکل دی ہے، وہ انھیں کے قلم کا حصہ ہے۔ تحریر انتہائی پختہ اور تحقیقی ہے۔ بڑے کمالِ فقاہت کے ساتھ مفتی صاحب نے عباراتِ فقہا کو ان کے محمل پر منطبق کیا ہے۔ میرے خیال سے اشرفیہ کے ہر شمارے میں کسی بھی اہم مبحث سے متعلق مفتی صاحب کی اسی طرح کی پختہ اور تحقیقی تحریر فیصلہ کن انداز لیے ہوئے شاملِ اشاعت ہونی چاہیے۔

«یہ ہے میرا وطن» اشرفیہ کا ایک پسندیدہ کالم تھا۔ ادھر چند مہینوں سے یہ کالم پڑھنے کو نہیں مل رہا ہے۔ آپ نے جن جذبات کے تحت اس کا آغاز کیا تھا، اس کے سبب ہماری بے چین روحیں اب تک اس کالم کے تحت مسلمانوں کے مذہبی، تعلیمی، سیاسی، معاشی اور ملی مسائل پر آپ کی تجزیاتی تحریریں تلاش کر رہی ہیں۔ برسبیلِ تذکرہ عرض کر دوں کہ آپ کی قیادت میں چلنے والی تحریک «تنظیم ابنائے اشرفیہ» کو اگر قومی وملی مسائل کے حل کا پلیٹ فارم بنادیا جائے تو بہت بہتر ہوتا۔

نئے سال کی مناسبت سے ایک مشورہ یہ ہے کہ جنوری سے شخصیات کے کالم میں تھوڑی تبدیلی یہ لائیں کہ ہر مہینے درسی کتابوں کے مصنفین کی سوانح اور ان کا تفصیلی تذکرہ باری باری پیش کریں۔ کیوں کہ ہماری نئی نسل کو ان مصنفین کے حالات سے واقفیت نہیں۔ اس طرح طلبۂ مدارس کے حق میں بھی یہ چیز مفید ہوگی اور شوق وذوق کے ساتھ وہ اس کو پڑھیں گے۔ آئندہ اس سلسلے کو کتابی شکل میں بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔ فقط محمد قطب الدین رضا مصباحی
جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

ٹائٹل پیج پر حافظ ملت کی تحریر کا اقتباس ایک عمدہ پیش رفت ہے..

فخر صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب - سلام ورحمت

ماہ نامہ اشرفیہ کا شمارہ اکتوبر ۲۰۱۰ء دست یاب ہوا، آپ کی ادارت میں رسالہ روز بروز خوب سے خوب تر کی جانب گام زن ہے۔ ٹائٹل پیج پر ادھر کچھ مہینوں سے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا کوئی اقتباس ہوتا ہے مگر ماخذ کی نشان دہی نہیں ہوتی۔ ماخذ کی نشان دہی ہو جانے پر یہ فائدہ ہوتا کہ اس اقتباس کو پڑھنے کے بعد اگر کوئی پورا مضمون پڑھنے کا خواہش مند ہوتا تو وہ اسے حاصل کر کے اپنے ذوق کی تکمیل کا سامان فراہم کر سکتا تھا۔ میرے خیال سے اس کی جگہ اگر یہ سلسلہ قائم ہو کہ اشرفیہ کے بارے میں اکابر کے تاثرات کا اقتباس پیش کیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ مولانا اسحاق رضوی مصباحی کے سلسلہ وار مضمون «جدید علم کلام» کی ساتویں قسط ایمان بالآخرۃ شامل ہے۔ اس تعلق سے بہت سی باتیں اشاروں میں کی گئی ہیں، جنھیں صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے، جس کے ذہن میں پہلے سے اس کا خاکہ موجود ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ مولانا اسحاق نے جو سلسلہ شروع کیا ہے، اس کو ماہ نامہ میں پیش کرنے کے بجائے وہ کتابی صورت میں پیش کرتے تو بہتر ہوتا۔ ایک تو رسالہ میں اتنی لمبی قسط والے مضمون سے طبیعت اکتا جاتی ہے، پھر جس انداز سے مولانا اسحاق صاحب لکھ رہے ہیں، وہ رسالہ کے لیے موزوں معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح پیشین گوئی کی پانچویں قسط شاملِ اشاعت ہے، اس مضمون کا بھی کوئی حاصل مجھے اب تک سمجھ میں نہ آسکا۔ یہ بھی کسی ماہ نامے کے لیے کسی طرح مناسب نہیں لگتا۔ «بزم دانش» کا کالم ایک عمدہ کالم ہے۔ اس کے تحت دیے جانے والے عناوین قابل توجہ ہوتے ہیں۔ «نقد ونظر» کے کالم میں مولانا قطب الدین رضا مصباحی نے سید التفاسیر پر اپنا گراں قدر تبصرہ پیش کیا ہے۔ اپنی ہر بات انھوں نے شواہد کے ساتھ پیش کی ہے۔ بعض مقامات پر تحریر میں شوخی بھی معلوم ہوتی ہے۔ فقط محمد مصطفٰی رضا نوری، بدربنہ، دربھنگہ

رودادِ چمن

الجامعۃ الاشرفیہ میں اشرفیہ ہاسپٹل کا افتتاح

۶ر دسمبر ۲۰۱۰ء بعد نمازِ مغرب الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے کیمپس میں واقع اشرفیہ ہاسپٹل کے افتتاح کے موقع پر فاتحہ خوانی کا پروگرام ہوا، جس میں غوث اعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توشہ شریف پر طریقۂ غوثیہ کے مطابق فاتحہ ہوئی۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ، طلبہ اور مبارک پور کے دین دار لوگوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی، تلاوتِ کلام پاک کے بعد توشہ پر ایصالِ ثواب کیا گیا۔ شجرہ خوانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے سربراہِ اعلیٰ عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے کی اور امتِ مسلمہ کی فلاح وترقی اور خاص طور پر اشرفیہ ہاسپٹل کی کامیابی وکامرانی کے لیے دعائیں کیں۔

اشرفیہ ہاسپٹل کے افتتاح کی اس نورانی تقریب میں شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا نصیر الدین عزیزی، مولانا نعیم الدین عزیزی، مفتی زاہد علی سلامی، جناب عبد العلی عزیزی اور ناظمِ اعلیٰ حاجی سرفراز احمد اور نائب صدر صوفی نظام الدین وغیرہ نے بھی شرکت فرمائی۔ اس طرح عزیز ملت حضرت سربراہِ اعلیٰ دامت برکاتہم العالیہ نے اسلامی طریقے پر اشرفیہ ہاسپٹل کا افتتاح فرما کر خدمتِ خلق کے ایک مبارک سلسلے کا آغاز فرمایا۔

دوسرے دن ۷ر دسمبر بروز منگل ایک عظیم الشان پروگرام بھی ہوا، جس کی صدارت ملک کے ہر دل عزیز سیاسی لیڈر جناب عبد العلی عزیزی صاحب نے کی، جب کہ پروگرام کی نظامت پروگرام کے کنوینر ڈاکٹر عبد الاول نے کی۔ ڈاکٹر عبد الاول راعینی نے اشرفیہ ہاسپٹل کی ضرورت اور اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس علاقہ میں کوئی معیاری نرسنگ ہوم نہ ہونے کی وجہ سے اشرفیہ کے ہزاروں طلبہ اور قرب وجوار کے لوگ کافی پریشانی کا شکار تھے۔ لیکن اب اشرفیہ ہاسپٹل سے ان کی میڈیکل پریشانیوں کا ازالہ ہوگا۔ انھوں نے مزید کہا کہ یہ ہاسپٹل بہت جلد ایک اہم مقام حاصل کر لے گا، جس میں ہر قسم کی سہولیات دست یاب ہوں گے۔

پروگرام کا آغاز قاری جنید عالم کی تلاوتِ کلامِ پاک اور شکیل مبارکپوری کی استقبالیہ نظم سے ہوا۔ اس کے بعد کان پور یونیورسٹی کے لکچرر ڈاکٹر دل نواز رضا صاحب نے عوام کو خطاب کیا۔ انھوں نے اپنے خطاب کے دوران کہا کہ عن قریب الجامعۃ الاشرفیہ میں حافظِ ملت طبیہ کالج کی بنیاد بھی رکھی جائے گی۔ پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر شمیم احمد صاحب چیئرمین نگر پالیکا مبارک پور نے کہا کہ مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے کی سخت ضرورت ہے، اس کے بغیر مسلم قوم کامیاب نہیں ہو سکتی۔

پروگرام کے مہمانِ خصوصی یشونت سنگھ ایم. ایل. سی. نے عوام کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ الجامعۃ الاشرفیہ سماج کا ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جہاں سے سب کو فیض ملتا ہے، انھوں نے کہا کہ جامعہ اشرفیہ اور یہاں کی بنارسی ساڑی صنعت کی وجہ سے آج یہ سرزمین پوری دنیا میں اپنی ایک الگ پہچان رکھتی ہے۔ اور اس پہچان کو برقرار رکھنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

صدر اجلاس قومی پس ماندہ طبقات کمیشن کے سابق رکن عبد العلی عزیزی نے کہا کہ کوئی بھی کام کرنے اور ترقی کے منازل طے کرنے کے لیے نیک نیتی اور عزم وحوصلہ کی ضرورت ہے۔ رونے دھونے اور دوسروں پر ناانصافی اور تنگ نظری کا الزام لگانے سے کچھ بھی ملنے والا نہیں ہے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ آج کا مسلمان اسی ڈگر پر چل رہا ہے، جس کی وجہ سے وہ ترقی کرنے کے بجائے مزید تنزلی کے غار میں گرتا جا رہا ہے۔ عزیزی صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہمارے ملک کا سب سے بڑا اثاثہ صوفی سنتوں کا پیغام اور ان کی انسانیت نوازی ہے۔ اس کے سہارے ہم خود کو اور اپنے ملک کو آگے لے جا سکتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں مسلمانوں سے کہنا چاہوں گا کہ وہ ترقی کی جانب اپنے قدم بڑھائیں۔ انھوں نے اشرفیہ ہاسپٹل کو مرکزی حکومت سے ایک ایکس رے مشین دینے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس اسپتال کو ایک میڈیکل موبائل وین دلانے کی کوشش کریں گے۔

اس موقع پر الجامعۃ الاشرفیہ کے ناظمِ اعلیٰ حاجی سرفراز احمد، نائب صدر الحاج صوفی نظام الدین، نائب ناظم جناب مہدی حسن پردھان، محاسب ابوبکر، اشرفیہ ہاسپٹل کے منیجر ڈاکٹر عبد الخالق انصاری، اشرفیہ ہاسپٹل کے انچارج میڈیکل افسر ڈاکٹر فہیم عزیزی، ڈاکٹر جاوید، ڈاکٹر فخر عالم، ڈاکٹر فرید احمد، ڈاکٹر رضوان احمد، اسلامیہ ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر قمر الہدیٰ انصاری، عبد اللہ پبلک اسکول کے منیجر ضمیر احمد، اقرا پبلک اسکول کے منیجر شکیل احمد سہارا، اساتذہ وطلبہ، سیاسی وسماجی کارکنان اور معزز افراد بھی موجود تھے۔

اشرفیہ ہاسپٹل کے انچارج ڈاکٹر فہیم عزیزی نے بتایا کہ حافظ ملت طبیہ کالج کی کارروائی اپنے آخری مرحلے میں ہے، انشاء اللہ جلد ہی جامعہ اشرفیہ میں حافظ ملت طبیہ کالج کا افتتاح بھی ہوگا

از: محمد رحمت اللہ مصباحی، آفس انچارج تنظیم ابنائے اشرفیہ، مبارک پور

تنظیمی سرگرمیاں

مرکزی حکومت بابری مسجد کے مجرمین RSS پر پابندی عائد کرے۔ الحاج شاکر علی عزیزی

تکیہ پاڑہ (ہوڑہ) بابری مسجد کی شہادت کی اٹھارہویں برسی کے موقع سے دفتر تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ میں تنظیم کے نگران اعلیٰ اور جامع مسجد تکیہ پاڑہ کے صدر الحاج شاکر علی عزیزی کی صدارت میں ایک میٹنگ کا انعقاد عمل میں آیا۔ جس میں مندوبین نے بابری مسجد کی شہادت کو ملک کی "سیاہ تاریخ" قرار دیا اور اس سازش میں ملوث RSS جیسی فرقہ پرست تنظیموں پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیا۔

اس موقع سے جامع مسجد تکیہ پاڑہ ہوڑہ کے صدر الحاج شاکر علی عزیزی نے کہا کہ ۶؍دسمبر ۱۹۹۲ء میں RSS کی ذیلی تنظیمیں VHP اور بجرنگ دل وغیرہ نے بابری مسجد کو شہید کر کے ملک میں نفرت کا جو بیج بویا تھا اس نے نہ صرف ملک کی امن و سلامتی اور اتحاد و یکجہتی کو نقصان پہونچایا بلکہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک کو بین الاقوامی سطح پر ذلیل و خوار کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ RSS فرقہ پرست پارٹی ہے جو نہ صرف رام جنم بھومی کا بہانہ بنا کر اقلیتوں کے تئیں گندی سیاست سے دلچسپی رکھتی ہے بلکہ جگہ جگہ انسانیت کا خون خرابہ کرنے میں بھی بڑی مہارت رکھتی ہے۔ اس لئے ملک کی سالمیت کو لاحق خطرات سے نجات دینے کے لئے مرکزی حکومت کو چاہئے کہ RSS جیسی شدت پسند پارٹیوں پر پابندی عائد کرے اور اقلیتوں کے ساتھ ہو رہے ظلم و زیادتی کا خاتمہ کرے۔

جامع مسجد تکیہ پاڑہ کے خطیب و امام اور تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ کے کنویز مولانا محمد عارف حسین مصباحی نے اپنے خطاب میں کہا کہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ RSS جیسی فرقہ پرست تنظیموں کے ذریعہ باہمی اتحاد و یگانگت کی نشانی بابری مسجد کی شہادت کا ہولناک منظر رونما ہوا اور اس وقت ملک کے وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے قوم سے اپنے وعدے میں کہا تھا کہ بابری مسجد کو اسی جگہ پر دوبارا تعمیر کرینگے اور مسجد شہید کرنے والے مجرمین کو کیفر کردار تک پہونچائیں گے۔ لیکن جمہوریت اور سیکولرازم کا دم بھرنے والوں نے ہی ہندستانی جمہوریت کا گلا گھونٹ دیا کہ مسجد کی شہادت میں ملوث شر پسند عناصر نہ صرف ملک میں باعزت گھوم پھر رہے ہیں بلکہ اقلیتوں کے ساتھ ہمیشہ کی طرح ناروا سلوک کرتے ہوئے آستھا اور عقیدت کے نام پر مسجد کی جگہ غیروں کے سپرد کر دی گئی جس سے فرقہ پرست عناصر کے حوصلے مزید بڑھ گئے اس لیے RSS جیسی تنظیم کے شدت پسند اراکین پر قدغن لگانے اور مسجد کو حسب سابق اسی کی جگہ پر بنانے میں مرکزی حکومت ایوان میں بل پاس کرے۔

اس موقع سے جامع مسجد تکیہ پاڑہ ہوڑہ کے سرگرم رکن قربان علی، بابو ذاکر علی عزیزی، مولوی تنویر احمد قادری اور محمد جاوید رضوی کے علاوہ کثیر تعداد میں مندوبین نے شرکت کر کے بابری مسجد کی شہادت پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔

(رپورٹ: تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ۔)

اسلام دشمن عناصر اپنی اوقات میں رہیں
تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ

(تکیہ پاڑہ، ہوڑہ) مذہب اسلام کے اصول و آئین امن و آشتی کے داعی، فطرتِ انسانی کے عین مطابق اور معاشر کے فلاح و بہبود کے ضامن ہیں۔ لیکن بڑے افسوس کا مقام ہے کہ آج سستی شہرت کے طلب گار انسان دشمن عناصر کو انسانی معاشرے میں امن و سلامتی پھوٹی آنکھ نہیں بھاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ آئے دن اسلام جیسے مقدس مذہب پر نت نئے تراش خراش کے ذریعہ کیچڑ اچھالنے کی ناپاک سعی کر رہے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار جامع مسجد تکیہ پاڑہ کے صدر و تنظیم ابنائے اشرفیہ شاخ ہوڑہ کے نگران اعلیٰ الحاج شاکر علی عزیزی نے "بنگال مسلم فورم" کے "شریعت مخالف میٹنگ" کے خلاف اپنے ایک بیان میں کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ صیہونیت کی حمایت یافتہ نام نہاد مسلم تنظیم کا اسلامی امور مثلاً طلاق، ترکہ، میراث اور کثرت ازدواج کا مسلم پرسنل لاء سے نکال کر فوجداری کے قانون میں داخل کرنے کا مطالبہ اسلامی اصول و قوانین کے منافی ہی نہیں بلکہ ہندوستان جیسے ملک میں اسلام دشمن عناصر کو اسلام مخالف سرگرمیوں میں مواد فراہم کرنا ہے جس سے معاشرے میں فتنہ و فساد رونما ہوگا۔ (باقی ص: ۲۰؍پر)

عالمی خبریں

دارالعلوم قادریہ غریب نواز ساؤتھ افریقہ کے سالانہ اجلاس میں حضرت عزیز ملت کی شرکت

سالہائے گزشتہ کی طرح امسال بھی مورخہ ۱؍۲؍۳؍اکتوبر ۲۰۱۰ء بروز جمعہ، سنیچر، اتوار کو ساؤتھ افریقہ کی مرکزی درسگاہ دارالعلوم قادریہ غریب نواز (لیڈی اسمتھ) میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سالانہ جلسہ دستار بندی کا انعقاد ہوا جس میں ملک و بیرون ملک کے کثیر علمائے کرام مفتیان عظام اور دانشورانِ قوم و ملت تشریف لائے اور افریقہ کے ممالک سے شرکت کرنے والے فرزندان توحید و رسالت کے ذہن و دماغ قلب و جگر کو حرارت ایمانی، عشقِ مصطفوی، جذبۂ ایثار سے سرشار فرمایا۔

امسال دارالعلوم سے فیجی، ملاوی، اور انڈیا کے ۱۵ ؍طلبہ فارغ ہوئے جن میں ۹؍طلبہ نے فضیلت سے ۳ طلبہ نے درجۂ حفظ سے اور ۳؍طلبہ نے درجۂ قرات سے سندِ فراغت حاصل کی۔

بانی ادارہ پیر طریقت حضرت علامہ سید علیم الدین اصدق مصباحی کی دعوت پر جو علمائے کرام باہر سے تشریف لائے تھے ان کے اسما درج ذیل ہیں:

عزیز ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب قادری سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (انڈیا) مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی مصباحی جنرل سیکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن، مداح رسول شاعر اسلام حضرت الحاج اویس رضا قادری پاکستان، فاضل نوجوان حضرت علامہ محمد ارشد مصباحی نیز مقامی اور پڑوسی ملک کے کثیر علمانے اس اجلاس میں شرکت فرمائی مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں صاحب مصباحی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ حضرت علامہ سید علیم الدین مصباحی اس ادارہ کے ذریعہ پورے برّ اعظم افریقہ کی ضرورتیں پوری کر رہے ہیں۔ یہاں سے علما حفاظ پیدا ہو رہے ہیں جو پورے برّ اعظم افریقہ میں اہلسنت و جماعت کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

عزیز ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب قادری نے فرمایا کہ یہ ادارہ آپ کا مرکز ہے اس لیے اس کی حفاظت اور اس کو ترقی دینا آپ کا ملی فریضہ ہے کیوں کہ جب آپ کا مرکز صحیح و سلامت رہے گا تو ہمیشہ آپ کو صحیح رہنمائی ملتی رہے گی۔

بانی ادارہ نے باہر سے تشریف لائے علمائے کرام اور عوام اہل سنت کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا اور پھر عزیز ملت کے دعائیہ کلمات پر جلسے کا اختتام ہوا۔

از: محمد عرفان خاں، یو۔کے۔ متعلم دارالعلوم ھٰذا

امریکہ میں پہلی اسلامی یونیورسٹی کا قیام

برکلے (کیلی فورنیا) اولین امریکی مسلم یونیورسٹی کا بالآخر یہاں قیام عمل میں آگیا جہاں اسلام کے خلاف نفرت اور بے اعتمادی کا ماحول ختم کرنے کے لیے اس اعتدال پسند اسلام کو فروغ دیا جائے گا جو امریکہ میں مستحکم ہے۔ ہر چند کہ اس یونیورسٹی کے پہلے کلاس میں طلبہ کی تعداد محض ۱۵؍ ہے، اور کیلی فورنیا یونیورسٹی کے احاطے میں کرائے کی دفتری جگہ پر اسے قائم کیا گیا ہے، زیتون کالج کے نام سے یہ ادارہ امریکہ میں ایک مستند اولین مسلم یونیورسٹی بننے جا رہا ہے۔

زیتون کالج کے بانی حمزہ یوسف مغرب میں دینِ متین کے سرکردہ اسکالر ہیں، انھوں نے کہا ہے کہ امریکہ آنے والی ہر مذہبی کمیونٹی ایک مرحلے پر اس سطح پر پہنچ جاتی ہے جہاں اسے ادارہ جاتی شکل اختیار کرنی پڑتی ہے، تا کہ اس کی بقا یقینی ہو سکے اور آج مسلم کمیونٹی اس مرحلے سے گزر رہی ہے۔ امریکہ میں ۳۰؍فی صد لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام تشدد کو بڑھاوا دیتا ہے، لیکن زیتون کالج کے بانیوں کا کہنا ہے کہ اس وقت امریکہ میں مسلمانوں کو جس امتیاز کا سامنا ہے، وہ اس سے مختلف نہیں جو کیتھولک مسیحیوں کو ۱۹؍ویں صدی میں یا یہودیوں کو ۲۰؍ویں صدی میں درپیش تھا۔

زیتون کالج میں تعلیمی امور کے سربراہ حاتم بازیان نے کہا کہ جہالت اور بے عملی کی بنیادی علاج میں سے ایک علاج تعلیم ہے۔ مسٹر حاتم برکلے کیلی فورنیا یونیورسٹی میں مدرس بھی ہیں۔ اس درس گاہ میں چار سالہ تعلیمی پروگرام کے دوران اسلامی ادب، فلسفے، مذہبیات اور تاریخ کی تعلیم دی جائے گی، اس کے دروازے ہر مذہب کے ماننے والوں کے لیے کھلے ہوں گے۔ سرِ دست سبھی طالب علم مسلمان ہیں، لیکن الگ الگ بیک گراؤنڈ رکھتے ہیں۔

برطانیہ میں ۲۸؍لاکھ سے متجاوز مسلمان

برطانیہ کی تنظیم لیبر فورس نے اپنی حالیہ سروے رپورٹ میں

انکشاف کیا ہے کہ ملک میں مسلمانوں کی تعداد ۲۸ / لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے اور مسلمانوں کی اکثریت اپنے نام کے ساتھ لفظ محمد لگانا پسند کرتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کی تعداد ملک کی آبادی کا ۶ء۴ فی صد ہے جب کہ یورپ بھر کی مسلم آبادی کا ۸ء۱۶ فی صد ہے۔ آبادی میں اضافے کے لحاظ سے مسلمان قوم تیزی سے بڑھ رہی ہے، جب کہ گزشتہ ۴ / برس کے دوران عیسائیوں کی آبادی ۲۰ / لاکھ سے زیادہ کم ہوئی ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا کہ مسلم آبادی کی شرح بلجیم میں ۶ / فی صد ہے، جب کہ فرانس ۷ء۵ / فی صد کے ساتھ دوسرے،، آسٹریا اسی شرح کے ساتھ تیسرے، سوئٹزرلینڈ ۷ء۵ / فی صد کے ساتھ چوتھے، نیدرلینڈ ۵ / فی صد کے ساتھ پانچویں، جرمنی اسی شرح کے ساتھ چھٹے، سویڈن ۹ء۴ / فی صد کے ساتھ ساتویں، یونان ۷ء۴ / فی صد کے ساتھ آٹھویں، جب کہ برطانیہ ۶ء۴ / فی صد کے ساتھ نویں نمبر پر ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق یورپ میں سب سے زیادہ مسلمان جرمنی میں آباد ہیں، جن کی تعداد ۴۱۱۹۰۰۰ / دوسرے نمبر پر فرانس میں ۳۵۷۴۰۰۰ / جب کہ برطانیہ ۲۸ / لاکھ مسلم آبادی کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہے۔

مسجد الحرام کی توسیع کی تکمیل ۲۰۱۳ء میں

مسجد حرام میں میں شاہ عبد اللہ توسیع ۲۰۱۳ء تک مکمل کرنے کا شاہی فرمان جاری کر دیا گیا ہے۔ اس تعمیراتی پروجیکٹ کی تکمیل کے نتیجے میں مسجد حرام میں ۲۰ / لاکھ حجاج بیک وقت نماز ادا کریں گے۔ آج کل مسجد حرام میں ساڑھے سات لاکھ افراد بیک وقت نماز ادا کر رہے ہیں۔ «شاہ عبد اللہ توسیع پروجیکٹ» میں یہ بات شامل ہے کہ مسجد الحرام کا نیا حصہ ۵ / منزلہ ہوگا جو پورا ایر کنڈیشنڈ ہوگا۔ موجودہ مسجد حرام ۳ / منزلہ ہے اور اس کا صرف شاہ فہد توسیع والا حصہ ایئر کنڈیشنڈ ہے۔ مگر شاہ عبد اللہ نے حکم دیا ہے کہ سلطنت اسلامیہ کے دور میں بنائے گئے حرم اور شاہ عبد العزیز کے دور میں ہونے والی بہت بڑی توسیع والے حصے کو بھی ایئر کنڈیشنڈ کر دیا جائے گا۔ اس شاہ عبد اللہ توسیع پروجیکٹ کے تحت تہہ خانوں کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد پہلی منزل کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا ہے۔ یہ تعمیراتی کام بن لادن کمپنی کر رہی ہے۔ جس پر کھربوں روپے لاگت آئے گی۔ اس کا تعمیراتی سامان جدہ میں Branibe Camp میں بنایا جا رہا ہے۔ اس میں پری کاسٹنگ، مکسڈ سیمنٹ، الیکٹرک ایئر کنڈیشننگ ڈکٹنگ وغیرہ کا سامان ہے۔

حجاب پر پابندی کے لیے پوپ بینڈ یکٹ کا اعتراض

عیسائیوں کے سب سے بڑے رہ نما پوپ بینڈ یکٹ ۱۶ نے حجاب پر پابندی کے فرانسیسی قانون پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا ہے کہ خواتین کو رضا کارانہ طور پر حجاب پہننے دیا جانا چاہیے۔ پوپ کے انٹرویوز پر مشتمل جرمن زبان کی کتاب میں پوپ نے کہا ہے کہ انھیں برقعہ پر عام پابندی کی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی۔ انھوں نے مزید کہا کہ اگر خواتین رضا کارانہ طور پر برقعہ پہننا چاہتی ہیں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان پر پابندی کیوں عائد کی گئی۔

ایک لاکھ فلسطینیوں کی القدس سے بے دخلی کا منصوبہ

اسرائیل کے اٹارنی جنرل یہودا ونسٹائن کے احکامات کے بعد اسرائیلی حکام نے سیکڑوں گھروں کو منہدم کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جس سے مقبوضہ بیت المقدس کے حالات انتہائی کشیدہ ہو گئے ہیں۔ اٹارنی جنرل نے وسطی سلوان میں یہودی آباد کاری کے لیے اطراف کے سیکڑوں گھروں کو منہدم کرنے کی ہدایات دی گئی تھیں۔ تجزیہ نگاروں کے مطابق صیہونی بلدیہ اور اسرائیلی فوج کی طرف سے انہدامی نوٹس کے اجرا کے بعد اس مقدس شہر کے حالات دن بہ دن ساتھ خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ حالیہ صیہونی احکامات کے بعد مقبوضہ بیت المقدس میں صدیوں سے آباد فلسطینیوں کے گھروں کی انہدامی کارروائیاں دوبارہ شروع ہونے کے بعد خطرات بڑھ گئے ہیں، جس پر کمیٹی برائے دفاع سلوان کے رکن فخری ابو ذیاب نے ونسٹائن کی جاری کردہ ہدایات سے پیدا ہونے والے خطرات سے خبردار کیا ہے۔

یہودی مصنف اور صحافی ہنری بروڈک کا قبولِ اسلام

۲۰۰۷ء میں سب سے زیادہ بکنے والے کتاب کا نام «افسوس یورپ نے گھٹنے ٹیک دیے» ہے، اس مشہور کتاب کے یہودی مصنف اور صحافی ہنری بروڈک کا قبولِ اسلام اس لحاظ سے اہم ہے کہ کل تک جس نے مذہب اسلام کے خلاف اپنی تمام تر ذہنی و فکری صلاحیتیں صرف کیں، اسلام پر جدید طرز معاشرت اور اسلوبِ زندگی سے متصادم ہونے کا الزام لگایا وہی معاند آج اسلام کے سایۂ رحمت میں پناہ لیتا ہے اور اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ «پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے»۔

خیر و خبر

خلد آباد میں علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی کا عرس

گزشتہ دنوں حسان الہند حضرت علامہ سید میر غلام علی آزاد بلگرامی واسطی چشتی علیہ الرحمۃ والرضوان کا سالانہ عرسِ مقدس آپ کے آستانۂ پاک احاطۂ اعلاے سنجر خلد آباد شریف میں شرعی حدود میں تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔

بعد نمازِ ظہر قرآن خوانی ہوئی، قاری رفیق القادری نے قصیدۂ بردہ شریف پڑھ کر افتتاحی مجلس کا آغاز فرمایا اور مولانا مفتی محمد مناظر حسین مصباحی نے عظمتِ اولیا پر مختصر خطاب فرمایا۔ صلاۃ و سلام اور قل شریف کے بعد روح پرفتوح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی، حضرت حسان الہند سید میر غلام علی آزاد بلگرامی و جملہ اولیاے عظام کے لیے نیاز ایصالِ ثواب کی گئی۔ بعد نمازِ عصر محفلِ حسان الہند منعقد ہوئی، جس میں مشہور نعت خواں جناب محمد امتیاز صابری، حافظ محمد سفیان صابری، مولانا احمد رضا رضوی، مولانا ابو الحسن خلد آبادی وغیرہ نے نعت و منقبت کے ذریعہ روحانی و عرفانی ماحول پیدا کر دیا۔

بعد نمازِ مغرب حضرت مولانا الحاج وقار احمد عزیزی نے بیعت و خلافت، رشد و ارشاد اور خصوصاً صوفیاے کرام کی مقدس تعلیمات پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ صوفی ازم کے تحت ہی ہندوستان میں چمنِ اسلام وسیع تر ہوا۔ حضرت داتا گنج بخش لاہوری، سرکار غریب نواز، بابا فرید، نظام الدین محبوب الٰہی علیہم الرضوان جیسے مشہور صوفیاے کرام اپنے وقت کے بہترین عالمِ دین بھی تھے۔ آج کل لوگ پیری اور مریدی پر انگشت نمائی کر رہے ہیں۔ جب کہ پیری و مریدی اور بیعت کا سلسلہ خود حضور ﷺ کے مقدس زمانے میں شروع ہوا۔ آپ نے بیعتِ عقبیٰ اور بیعتِ رضوان وغیرہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ خود حضور ﷺ نے صحابۂ کرام سے عہد و پیمان لیا اور ان کے جان و مال کو اللہ کے نام پر خریدا۔ خلفاے راشدین نے بھی اپنے دست اقدس پر دورانِ خلافت لوگوں سے عہد و پیمان لیا۔

مولانا وقار احمد عزیزی کے پر مغز خطاب کے بعد آستانہ عالیہ پر چادر و گل پوشی کی گئی۔ مولانا احمد رضا حنفی، مولانا ابو الحسن، اور حافظ و قاری ذکی اللہ صاحب نے قل شریف تلاوت فرمائی۔ مولانا وقار احمد عزیزی نے شجرہ خوانی کے بعد رقت آمیز دعا فرمائی، بعدہٗ توشۂ غوثِ اعظم و لنگر شریف تقسیم کیا گیا۔

از: قاری مشتاق احمد چشتی، سکریٹری آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما، مالیگاؤں

پیلی بھیت میں آل انڈیا مفتی اعظم ہند کانفرنس

۲۷ / ۲۸ / اکتوبر ۲۰۱۰ء کو الجامعۃ الرضویہ مدینۃ الاسلام ہدایت نگر، پیلی بھیت میں سالانہ آل انڈیا مفتی اعظم ہند کانفرنس و عرس اعلیٰ حضرت و شمس الفیوض الحاج محمد ہدایت رسول صاحب اور جشنِ دستار بندی بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ ۲۷ / اکتوبر کو آل انڈیا نعتیہ مشاعرہ ہوا جس میں شعرا حضرات نے مصرع طرح "یا رسول اللہ کی کثرت کیجے" پر طبع آزمائی فرمائی۔ ۲۸ / اکتوبر کو بعد نمازِ عشا کانفرنس و اعراس و جشن کا پروگرام منعقد ہوا۔ کانفرنس کا آغاز قاری محمد رجب علی بہرائچی نے تلاوت کلامِ ربانی سے کیا۔ حاجی مولوی عاشق رضا امانتی، مولوی زین العابدین بہرائچ، صوفی فتح محمد ممبئی، مولوی محمد احمد رضوی، مولانا فاروق، حاجی حافظ رضاے رسول، مولوی محفوظ الرحمٰن، مناظر حسین بدایونی، سجاد نظامی، قاری نعمت اللہ منوری، شیخ منور علی شاہ بغدادی، صوفی دولت رسول خاں امانتی وغیرہ نے نعت و مناقب پیش فرمائے۔ سید بلاغت رسول، مولانا محبوب علی، مولانا صلاح الدین، مولوی طالب رضا، مولانا فقیر محمد، مفتی محمد انور علی، مولانا سید علی، مفتی نذیر پرویز، مفتی بہاء المصطفیٰ، مولانا غلام ربانی، قاری عبد الرحمٰن، مولانا محمد حنیف، مولانا محمد عارف مصباحی، مولانا نثار احمد، مولانا محمد ایوب، مفتی ہدایت رسول رام پوری، مولانا سید شرافت رسول، مفتی انور علی وغیرہ نے اپنے اپنے بیان سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

اس پروگرام کی سرپرستی نبیرۂ اعلیٰ حضرت، مولانا سبحان رضا خاں صاحب سبحانی میاں نے فرمائی اور صدارت مولانا ڈاکٹر سید شاہ محمد عارف میاں سجادہ نشیں خانقاہ واحدیہ بلگرام شریف نے

فرمائی۔ پروگرام میں مولانا قاری محمد امانت رسول صاحب کی تین تصنیفات، برکاتیہ درود شریف، مکمل طریقۂ فاتحہ مع برکاتِ فاتحہ اور خزانۂ رحمت و برکت کا اجرا حضرت سبحانی میاں کے دست اقدس سے ہوا۔

از: نذیر پرویز مصباحی، ہدایت نگر، پیلی بھیت

نایگاؤں بازار میں حضرت تاج الشریعہ کی آمد

۱۸/ اکتوبر ۲۰۱۰ء بروز دوشنبہ مدرسۃ البنات القادریہ رضویہ میں جشن افتتاح بخاری کی ایک تقریب منعقد ہوئی جہاں فخر ازہر قاضی القضاۃ فی الہند تاج الشریعہ علامہ محمد اختر رضا خاں صاحب قبلہ قادری رضوی ازہری نے ۱۶/ طالبات کو بخاری شریف کا افتتاح کرایا اور طالبات سے بخاری شریف سن کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد تقریباً ۱۱/ بجے رات رضا انگلش میڈیم اسکول پہنچ کر اس کا افتتاح فرمایا۔ بعدہ حضور تاج الشریعہ اس روح پرور محفل میں جلوہ بار ہوئے جہاں ہزاروں ہزار کی تعداد میں لوگ اپنے سینوں میں محبتِ مرشد کی شمع جلا کر آپ کی زیارت کے منتظر تھے۔

آپ نے سب سے پہلے مسلمانوں کو داخلِ سلسلہ فرمایا، اس کے بعد مختصر مگر بہت ہی جامع نصیحت فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ آج جماعت اہل سنت کے خلاف بہت سی تحریکیں اور تنظیمیں معرضِ وجود میں آگئی ہیں، ان سے اپنے آپ کو بچانا اور دور رکھنا بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ یہ سب کے سب اپنے بزرگوں اور اکابر اہل سنت و جماعت کے جادۂ راہ سے ہٹ کر الگ الگ راستہ ہموار کر رہے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ مذہب اہل سنت و جماعت پر قائم رہیں اور دامنِ مسلکِ اعلیٰ حضرت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہیں۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کوئی نیا مسلک نہیں ہے۔ اہل سنت و جماعت کی ایک دوسری تعبیر ہے جو دوسرے مذاہب و مسالک سے ممتاز کرتی ہے اس لیے اس دور میں بدعقیدگی اور گمراہی سے بچنے کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت کو اپنانا ہوگا۔ نیز ہر مسلم آبادی میں دینی مکاتب و مدارس قائم کرنے کی تاکید فرماتے ہوئے امام اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتابوں کے مطالعہ کی جانب علمائے کرام کی توجہ مبذول کرائی۔ اخیر میں حضور والا نے سلام رضا بارگاہِ رسالت میں پیش کیا اور اپنی دعا پر محفل کا اختتام فرمایا۔

از: مدرسہ گلشنِ رضا، کولمبی نانڈیڑ، مہاراشٹر

☆☆☆☆☆